اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- خوفِ الٰہی
- قیامت کی ہولناکیاں
- فتح و کامرانی کا پانچ نکاتی فارمولا
- خوف و رجا
- فضیلت یومِ عاشورہ
- اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری
- اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے
- طلباء کو اہم نصیحتیں
- تعلق مع اللہ کا آسان طریقہ "ذکر اللہ"
- سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنیؒ
- دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت
- آزاد قبائل سے خصوصی تعلق
- تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

جلد نہم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

جلد نہم

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد نہم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۴۸۳

کتاب: اصلاحی تقریریں

جلد: جلد نہم

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور

فون: 042-7352483

ملنے کے پتے

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر۱

بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر۱

بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی

ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴

مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴

مکتبۂ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی

بک سنٹر = 32 حیدر روڈ راولپنڈی

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو "تقریریں" کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں "اصلاحی تقریریں" کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور "جامعہ اشرفیہ لاہور" کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے کئی درجن کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ "اصلاحی تقریریں (جلد نہم)" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں

بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے لئے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالامال کردے۔

واللہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارلعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی

سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول تا ہشتم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلدنہم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی وغیرملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا طلحہ اقبال، مولانا محمد شعیب سرور، اور مولانا عبدالتواب نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

خوف الٰہی

﴿قیامت کی ہولناکیاں﴾

﴿فتح و کامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ﴾

﴿خوف اور رجاء﴾

﴿فضیلت یوم عاشورہ﴾

﴿اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے!﴾

﴿اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری﴾

﴿طلباء کو اہم نصیحتیں﴾

﴿تعلق مع اللہ کا آسان راستہ ''ذکر''﴾

﴿سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحؒ﴾

﴿دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت﴾

﴿ آزاد قبائل سے خصوصی تعلق ﴾

﴿تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ﴾

خوفِ الٰہی

موضوع: خوف الٰہی

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

تاریخ: ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

ضبط و ترتیب: مولانا طلحہ اقبال

﴿خوفِ الٰہی﴾

خطبۂ مسنونہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امّا بعد!

فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ﴾ (البروج: ۱۲)

﴿وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا أَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ أَخْذَهٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ (هود: ۱۰۲)

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

﴿یُؤتٰی بِجَهَنَّم یَوْمَئِذٍ لها سبعون الفَ زمام مع کل زمام سبعون الف ملکٍ یجرُّونها﴾ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۲، ۲/ ۳۸۱ باب جهنم اعاذنا الله منها)

وعن النعمان بن بشیر رضی الله عنهما قال سمعت

رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول.

﴿انَّ اَهون اهل النار عذاباً يوم القيامة لرجُلٌ يوضَعُ فى أخمص قدميه جمرتان يغلى منها دماغه﴾ (الحديث)

(صحيح مسلم: ۱/۱۱۵، باب شفاعة النبى صلى الله عليه وسلم لابى طالب والتخفيف عنه بسببه﴾

ایمان کس کیفیت کا نام ہے؟

میں نے پچھلی مجلس میں عرض کیا تھا کہ ایمان امید اور بیم کی درمیانی کیفیت کا نام ہے اور بیم کے معنی خوف کے ہیں۔ گویا ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے۔ اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اور اس کے عذاب کا خوف بھی۔ جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ رب العالمین کی رحمت کی امید ہی نہ رہے بلکہ آدمی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے تو بعض صورتوں میں یہ مایوسی کفر ہے اور ایسی صورت میں ایمان بھی باقی نہیں رہتا اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی خوف اور ڈر باقی نہ رہے تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا اسی طرح اگر خوف غالب آجائے اور آدمی اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے تو یہ بھی کفر ہے۔ اسی طرح اگر امید اتنی بڑھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر ہی باقی نہ رہے اس کے عذاب کی کوئی فکر ہی نہ رہے تو یہ بھی کفر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امید اتنی بڑھ جائے کہ خوف نہ رہے۔ تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا اور خوف اتنا بڑھ جائے کہ امید بالکل باقی نہ رہے تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔ ایمان تب باقی رہتا ہے جب اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اس کے عذاب کا خوب بھی ہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی امید اور خوف

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں یہ اعلان ہو کہ جنت میں صرف ایک آدمی جائے گا اس کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ

امید ہوگی کہ شاید وہ اکیلا آدمی میں ہی ہوں اور اگر یہ اعلان ہو کہ جہنم میں صرف ایک آدمی جائے گا اس کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ شاید وہ اکیلا جہنم میں جانے والا آدمی میں ہوں۔ (سیر الصحابۃ بحوالہ کنز العمال ۱/۱۵۷)

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں خوف بھی اعلیٰ مقام اور اعلیٰ درجے کا تھا اور امید بھی اعلیٰ درجے کی تھی، جب یہ دونوں چیزیں اعلیٰ درجے کی جمع ہو جاتی ہیں تو ایمان بھی اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ

پچھلی مجلس میں ہم نے اس کتاب ''ریاض الصالحین'' میں سے امید و رجاء کے متعلق کچھ آیتیں اور احادیث سنائی تھیں، وہ ''باب الرجاء'' تھا۔ یہ ''باب الخوف'' اس میں قرآن کریم کی کچھ آیات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث ہیں جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف بھی ضروری ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کا عذاب کتنا سخت ہوتا ہے، یوں تو اس موضوع پر قرآن کریم میں بہت آیات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت احادیث ہیں لیکن آپ کو چند آیتیں اور چند احادیث سنائیں گے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ﴾

ترجمہ ''یقیناً جان لو تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

ایک اور جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾

ترجمہ ''اور اسی طریقے سے تیرے رب کی پکڑ ہوتی ہے جب وہ پکڑتا ہے، بستیوں کو اس حالت میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوں، اس کی پکڑ دردناک ہوتی

ہے، سخت ہوتی ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بستیوں کو پکڑتا ہے، جھنجوڑتا ہے، الٹتا ہے، تباہ کرتا ہے، اللہ کا عذاب بستیوں کو فنا کر دیتا ہے۔

قرآن کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم، حضرت ھود علیہ السلام اور ان کی قومِ عاد، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قومِ ثمود، حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات بھی سنائے ہیں، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس کس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو پکڑا اور تباہ و برباد کیا۔ آج بھی وہ نشان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ساری علامتیں چھوڑ رکھی ہیں کہ کس طرح قوم لوط کی بستیوں کو مٹا دیا تھا۔ آج بھی جا کر دیکھ لیجئے وہاں کا منظر سامنے ہے، قومِ ثمود کے شاہی محلات تو باقی رہے لیکن آدمی ایک بھی زندہ باقی نہ رہا، وہ بستی آج بھی مدائن صالح میں موجود ہے، قرآن کریم انہی کو ذکر کر رہا ہے۔

ان قوموں کو اس وقت تباہ کیا گیا جبکہ یہ ظلم کرنے والی تھیں جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا ''وھی ظالمۃ'' اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں ظلم پھیل جاتا ہے تو اللہ کا عذاب آ کر ان کو پکڑ لیتا ہے، تباہ کر دیتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ﴾ (سورۃ ھود:۱۰۳)

ترجمہ ''اس کے اندر ان لوگوں کے لیے علامتیں ہیں جو آخرت کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں کہ دنیا میں عذاب کی یہ کیفیت ہے تو آخرت میں عذاب ہوگا تو کیا حال ہوگا۔

﴿وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّہُ النَّاسُ﴾ (ھود: ۱۰۳)

ترجمہ ''اس آخرت کے دن تمام لوگوں کو میدان حساب میں جمع کر دیا جائے گا۔''

اندازہ لگایئے کیسا ہولناک دن ہوگا! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان اس دنیا میں پیدا ہوئے تھے، ان سب کو وہاں جمع کر دیا جائے گا، کیا تعداد ہوگی اور کتنا زبردست ہجوم ہوگا!

﴿وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ (هود: ۱۰۳)

ترجمہ ''اور وہ دن ایسا ہے کہ سب لوگ اس میں حاضر ہوں گے، سب لوگ اس کا مشاہدہ کریں گے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ (هود: ۱۰۴)

ترجمہ ''اور ہم نے اس دن کو مؤخر نہیں کر رکھا مگر گنی ہوئی تعداد کے ساتھ۔''

مطلب یہ ہے کہ قیامت کا وقت مقرر ہے، اس کی مدت گنی ہوئی تعداد کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ قیامت کا وقت مقرر ہے، اس کی مدت گنی ہوئی ہے، کتنے سال، کتنے مہینے، کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ اور کتنے سیکنڈ ہیں، یہ سب متعین ہے۔ جب یہ متعین مدت پوری ہوگی تو قیامت آجائے گی۔

قیامت کے دن کا خوف اور دہشت

قیامت کے دن کے خوف اور دہشت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (هود: ۱۰۵)

یعنی جب وہ دن آئے گا تو خوف اور دہشت کا یہ حال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بول نہیں سکے گا، خاموشی چھائی ہوگی، ہر ایک کو اپنی جان کی

پڑی ہوگی، سب خاموش ہوں گے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا:

﴿فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾ (طٰهٰ:۱۰۸)

یعنی کھرب ہا کھرب انسان ہوں گے لیکن خوف کی وجہ سے سب خاموش ہوں گے، ششدر ہوں گے، جب وہ قبروں سے اٹھ کر میدانِ حساب کی طرف چل رہے ہوں گے، تو خوف کی وجہ سے سوائے ان کے چلنے کی آواز کے کوئی اور آواز نہیں سنائی دے گی۔

اب دیکھئے آپ یہاں بیٹھے ہیں، کتنی آوازیں آپ کے کانوں میں آرہی ہیں، پنکھے کی آواز بھی آرہی ہے، ہوا کی آواز بھی، پرندوں کی آوازیں بھی آرہی ہیں اور لوگوں کی آوازیں بھی آرہی ہیں اور میری آواز بھی آپ تک پہنچ رہی ہے۔ کتنی آوازیں بیک وقت انسان کو دنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ دھیان نہ جائے تو دوسری بات ہے لیکن بے شمار آوازیں ہر وقت آتی رہتی ہیں لیکن میدان حساب میں سناٹا ہوگا، صرف چلنے کی آواز سنائی دے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴾ (هود: ۱۰۵)

کہ دو قسم کے لوگ ہوں گے کچھ بدنصیب ہوں گے کچھ خوش بخت ہوں گے، العیاذ باللہ۔ ان میں سے پہلی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾

(هود:۱۰۶)

اور جو لوگ بدبخت اور بدنصیب ہوں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان کی صرف آہیں نکل رہی ہوں گی، ان کی چیخیں نکل رہی ہوں گی۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ (آل عمران: ۲۸)

ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے''

یعنی مجھ سے ڈرو اگر میں عذاب دینے پر آجاؤں گا تو کوئی چھڑا نہیں سکے گا۔

میدانِ حساب کا منظر

قرآن کریم میں ایک جگہ میدانِ حساب کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ﴾ (عبس: ۳۴ تا ۳۶)

ترجمہ ''اس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور شوہر اپنی بیوی سے اور باپ اپنے بیٹوں سے۔''

یہ سب ایک دوسرے سے اس لیے بھاگیں گے کہ ہر کسی کو اپنی جان کی پڑی ہوگی، ہر کسی کو یہ خوف ہوگا کہ کہیں مجھ سے میری کوئی نیکی نہ مانگ لے، اس لیے نہ ماں کو اپنے بچے کی فکر ہوگی، نہ باپ کو اپنے بیٹے کی فکر ہوگی، نہ بیوی کی فکر ہوگی، نہ بیٹوں کو اپنے ماں باپ کی فکر ہوگی، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس: ۳۷)

ترجمہ ''ہر ایک کی حالت اس دن ایسی ہوگی کہ اسے دوسرے سے غافل کردے گی۔''

یعنی دوسرے کی طرف دھیان ہی نہیں ہوگا، جس طرح آدمی کو اگر پورے جسم میں آگ لگی ہوئی ہو اور آگ بھڑک رہی ہو تو اس وقت کسی اور چیز کی طرف دھیان نہیں جاتا، اسی طرح قیامت کے دن بھی ایسا خوف اور دہشت سوار ہوگی کہ کسی کو کسی کا دھیان نہیں ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں تو سب کے سب ننگے اٹھیں

گے حالانکہ قبروں میں کفن کے ساتھ دفن کیے جاتے ہیں لیکن کفن تو عام طور سے جانور کھالیتے ہیں، قبر کی مٹی کھالیتی ہے، بدن کو بھی مٹی کھالیتی ہے، کچھ چھوٹا سا ہڈی کا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ البتہ شہیدوں کے بدن باقی رہتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے بدن باقی رہتے ہیں، اسی طرح آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو کپڑے پہنائے جائیں گے لیکن باقی سب لوگ ننگے ہوں گے، کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عورتیں اور مرد سب ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہوں گے، فرمایا کہ کسی کو کسی طرف دیکھنے کی مجال اور ہمت ہی نہیں ہوگی، دھیان ہی نہیں ہوگا، یہی بات اس آیت میں بیان فرمائی کہ ہر ایک کے لیے اس دن ایسی حالت ہوگی جو اس کو اپنے اندر ہی مشغول رکھے گی، کسی دوسری طرف دھیان جانے ہی نہیں دے گی۔

(صحیح مسلم: ۳۸۴/۲، باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیمۃ)

قیامت کا زلزلہ

اللہ نے قیامت کے زلزلہ کے بارے میں سورۂ حج میں فرمایا:

﴿يَآاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾ (الحج: ۱)

ترجمہ ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔''

زلزلے تو دنیا میں بہت آئے ہیں، آتے رہے ہیں، آتے رہیں گے لیکن قیامت کا زلزلہ ایسا خوفناک ہوگا کہ اس میں آسمانوں کے ٹکڑے اڑ جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے، پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، کوئی متنفس زندہ نہیں بچے گا، کوئی جاندار زندہ نہیں بچے گا۔

اس کے بعد فرمایا:

﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ

كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾ (الحج: ۲)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا کچھ نقشہ کھینچا ہے کہ اس قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی حالانکہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو دنیا میں کبھی نہیں بھولتی لیکن جب قیامت کا زلزلہ آئے گا تو اس ماں کو اپنے دودھ پیتے بچے کا بھی ہوش نہیں رہے گا اور عورتیں حمل سے ہوں گی، خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔

اس کے بعد ارشاد باری ہے:

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (الحج: ۲)

اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ شاید وہ نشے میں ہیں، وہ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب اتنا شدید ہوگا کہ اس وقت ہر ایک کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ نشے میں ہیں اور لوگ اپنے قابو میں نہیں ہوں گے، پاؤں کہیں رکھنا چاہیں گے کہیں اور پڑے گا، یہاں تک کہ اس کائنات پر فنا مسلط ہو جائے گی۔

قرآن کریم کا اسلوب

ایک بات یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ ساری خوف کی باتیں ایک جگہ جمع نہیں کرتا بلکہ خوف کی باتیں بھی سناتا ہے اور ساتھ ساتھ امید کی باتیں بھی بتاتا ہے لیکن اس کتاب ''ریاض الصالحین'' میں چونکہ خوف کا باب الگ سے قائم کیا گیا ہے اس لیے خوف والی آیات اور احادیث کو ایک ہی جگہ جمع کیا گیا ہے۔

اللہ سے ڈرنے والے کا انعام

اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرنے والے شخص کے بارے میں سورۃ الرحمٰن میں فرمایا:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (الرّحمٰن: ۴۶)

جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا یعنی میدان حساب میں اللہ کے سامنے جو پیشی ہونے والی ہے، اس پیشی سے دنیا میں جو شخص ڈرتا ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ دو باغ عطا فرمائیں گے، پھر قرآن نے ان باغات کی کیفیات بیان کی ہیں کہ وہ کیسے باغات ہوں گے؟ لیکن یہ ساری نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ڈرنا بھی ضروری ہے، صرف امید ہی امید کافی نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ گناہ بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ کہتے رہتے ہیں کہ اللہ میاں غفور الرحیم ہیں، یہ بات تو ٹھیک ہے کہ اللہ میاں غفور الرحم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی شدید ہے، جب وہ پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں اس لیے ڈرنا بھی ضروری ہے اور امید رکھنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ آخرت کا ایک یہ حال بیان فرمایا۔

﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾

یعنی آخرت میں بعض لوگ ایک دوسرے کے پاس آئیں گے اور سوال کریں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو نجات ہو جائے گی، جہنم سے پار ہو جائیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے، یہ ایک دوسرے سے کہیں گے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ﴾ (الطور: ۲۶)

فرمایا کہ ہم تو پہلے دنیا میں اپنے گھر والوں میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے چنانچہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (الطور: ۲۷)

پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو اللہ رب العالمین نے گرم ہوا کہ عذاب سے بھی بچالیا۔ اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ دنیا میں اللہ رب العالمین سے ڈرتے ہوں گے اور اس کے عذاب سے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوں گے تو آخرت میں ان کی نجات ہوگی، اس آیت میں "السَّمُوْمِ" سے مراد آگ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ سے بچالیا۔

﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ط اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾

(الطور: ۲۸)

اہل جنت جنت میں جا کر یہ بات بھی کہیں گے کہ ہم اللہ سے دعا کیا کرتے تھے، اسی کو پکارا کرتے تھے، وہی نیکوکار ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

معلوم ہوا کہ جنت میں جو پہنچا ہوا وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے ہوا اور اس امید کی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول کرتے ہیں۔

جہنم کو لائے جانے کی کیفیت

اس باب میں چند احادیث بھی مذکور ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم.

﴿يُؤتىٰ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لها سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زمامٍ سبعون الف ملك يَجُرُّوْنها﴾

(صحيح مسلم رقم الحديث: ۳۸۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یؤتی بجھنم" جہنم کو اس دن لایا جائے گا یا تو لوگوں کو دکھانے کے لیے میدان حساب میں لایا جائے گا یا جہاں اس کو نصب کرنا مقصود ہوگا، وہاں لایا

جائے گا یا یہ مراد ہے کہ جہنم کو ظاہر کیا جائے گا یعنی ہے تو وہیں، لیکن پہلے مخفی تھی اب اس کو ظاہر کیا جائے گا۔ بظاہر لایا جانا ہی مراد ہے۔

جہنم کے لائے جانے کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لھا سبعون الف زمام مع کل زمام سبعون الف ملک یجرونھا﴾

ستر ہزار اس کی زنجیریں ہوں گی جس سے اس کو کھینچا جا رہا ہوگا اور ہر زنجیر کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو کھینچ رہے ہوں گے۔ ستر ہزار کو ستر ہزار میں ضرب دے لیجئے جو جواب آئے وہ تعداد بنے گی۔ ان فرشتوں کی جو جہنم کو کھینچ رہے ہوں گے۔ یہ حدیث مسلم شریف کی ہے اور صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہنم اتنی بڑی ہوگی۔

قیامت کے دن سب سے کم عذاب والے شخص کا حال

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿إِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَامَةِ لَرَجُلٌ یُّوْضَعُ فِی اَخْمَصِ قَدَمَیهِ جَمْرَتَانِ یغلی منھا دماغُہ مایَریٰ اَنَّ اَحَداً اشدُّ منہ عذاباً و انّہ لأھونھم عذاباً﴾

(صحیح مسلم، ۱/۱۱۵، فتح الباری ۱۱/۴۳۰)

اہل نار میں سے یعنی جن کو آگ کا عذاب دیا جائے گا ان میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کو آگ میں پھینکا نہیں جائے گا، اس کے پورے جسم کو آگ میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ اس کے پاؤں کے تلوے ''اخمص'' میں ایک انگارہ رکھ دیا جائے گا، ہر ایک کے پاؤں میں بیچ میں کچھ ابھار ہوتا ہے جو اوپر ہوتا ہے اور خالی ہوتا ہے

چنانچہ جب آدمی زمین پر گیلا پاؤں رکھتا ہے تو پورے پاؤں کا نشان پڑ جاتا ہے لیکن بیچ کے حصے کا نشان نہیں پڑتا۔ اس بیچ کے اٹھے ہوئے حصے کو ''اخمص القدم'' کہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک انگارہ ایک پاؤں کے اخمص میں اور ایک انگارہ دوسرے پاؤں کے ''اخمص'' میں رکھ دیا جائے گا لیکن وہ انگارہ کیا ہوگا! فرمایا کہ ''یَغلِی مِنْهُما دماغه'' اس انگارے کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جیسے چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا کھولتی ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اس کے بعد فرمایا ''مایری أن احداً شدمنه عذاباً'' کہ وہ یوں سمجھے گا کہ اس سے زیادہ عذاب والا کوئی آدمی نہیں ہے اور سب سے زیادہ عذاب اسے ہو رہا ہے، آپ اندازہ کیجئے کہ جس کے عذاب کا یہ حال ہو کہ اس کے پاؤں میں انگارہ رکھا ہوا ہو جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈی کی طرح کھول رہا ہو تو وہ یہی سمجھے گا کہ میں تو سب سے بڑا عذاب والا ہوں حالانکہ ''وإنه لاهو نهم عذاباً'' کہ آگ کے عذاب والوں میں یہ سب سے کم عذاب والا انسان ہوگا اور جو پورے جہنم میں گرے ہوئے ہوں گے، آگ میں جل رہے ہوں گے، ان کے عذاب کی اشدیت کا اندازہ تو کیا ہی نہیں جاسکتا۔ العیاذ باللہ۔

جہنم میں عذاب کے طبقات

ایک بات یہ ہے کہ جہنم میں جن کو عذاب ہونے والا ہے وہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہوں گے، جہنم کا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے جو کافروں کے لیے خاص ہے اور کافر تو جہنم سے کبھی نکالے ہی نہیں جائیں گے۔ وہاں پر آگ بھی سب سے زیادہ ہے اور دائمی ہے۔ کفار الگ اس طبقے میں ہوں گے اور وہ مؤمن جنہوں نے گناہوں سے توبہ نہیں کی ہوگی یا اللہ نے ان کو معاف نہیں کیا ہوگا، ان کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا لیکن پھر بھی اللہ کا کرم ہے کہ ان مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ نہیں رکھا جائے گا۔

اعمال کے بقدر آگ

اب پھر ہر ایک کے عمل کے حساب آگ اس پر اثر انداز ہوگی چنانچہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مِنۡهُمۡ مَنۡ تَأۡخُذُهُ النَّارُ اِلٰی کَعۡبَیۡهِ وَمِنۡهُمۡ مَنۡ تَأۡخُذُهُ اِلٰی رُکۡبَتَیۡهِ و منهم من تأخذه إلیٰ حُجۡزَتِهِ و منهم من تأخذه الی تَرۡقُوَتِهٖ﴾

(رواہ مسلم، رقم الحدیث ۲۸۴۵، باب جهنم اعاذ نااللہ منها)

''منهم من تاخذه النار الی کعبیه'' کہ بعض ان میں سے ایسے ہوں گے کہ آگ صرف ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی۔ باقی جسم آگ سے بچا ہوا ہوگا لیکن اس کا بھی کیا حال ہوگا! جس کے ایک انگارہ ''اخمص'' میں رکھا ہوا تھا وہ محسوس کرتا تھا کہ مجھے سب سے بڑا عذاب ہو رہا ہے تو اس کے تو ٹخنوں تک آگ پہنچی ہوئی ہوگی۔ اس کا عذاب اس سے بھی زیادہ ہوگا لیکن اس سے بھی زیادہ عذاب والے ہوں گے۔ ''ومنهم من تاخذه الی رکبتیه'' بعض ان میں سے ایسے ہوں گے جن کے گھٹنوں تک آگ پہنچی ہوگی ''ومنهم من تاخذ الی حجزته'' اور بعض ان میں سے وہ لوگ ہوں گے کہ آگ ان کی کوکھ تک پہنچی ہوگی۔ پیٹ کے جس حصے پر آدمی اپنا پائجامہ باندھتا ہے، شلوار باندھتا ہے اس حصے کو ''حجزة'' کہتے ہیں۔ وہاں تک آگ پہنچی ہوگی۔ ''ومنهم من تاخذه الی ترقوته'' اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہوں گے کہ آگ ان کے ترقوۃ یعنی ہنسلی کی ہڈی تک پہنچی ہوگی، یہ دو ہڈیاں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف جو ہمارے بالکل گلے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں، یہ ہنسلیاں کہلاتی ہیں۔ عربی میں ہنسلی کو ''ترقوہ'' کہتے ہیں، تو بعض لوگوں کے آگ یہاں تک پہنچی ہوگی اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، ہر قسم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرمائے۔

اعمال کے بقدر پسینہ

میدان حساب کی گرمی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ العَالَمِيْن حتى يَغِيْب احدهم فى رشحه الى أنصاف أُذُنَيْه﴾

(صحيح مسلم: باب في صفة يوم القيامة ۲/۳۸۴)

یعنی میدان حساب میں لوگ جب اپنے رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو بعض لوگوں کا حال یہ ہوگا اوران کا پسینہ اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ اپنے پسینے میں غائب ہو جائیں گے۔ پاؤں سے لے کر آدھے کانوں تک کا حصہ پسینے میں چھپ جائے گا، اتنا پسینہ اس لیے ہوگا کہ میدانِ حساب میں گرمی سخت ہوگی، روایات میں آتا ہے کہ آفتاب اتنے قریب کردیا جائے گا کہ یوں محسوس ہوگا جیسے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔

قیامت کے عذاب کی شدت

قیامت کے عذاب کی شدت کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ

﴿عن انس رضی الله عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خُطْبَةً ما سَمِعْتُ مثلها قطُّ فقال لوتعلمون ما اعلم لَضَحِكْتُمْ قَليلاً و لَبَكَيْتُم كثيراً فَغطّى أصحاب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وجوهم ولهم خنين﴾ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۳۵۹، باب توقيره صلى الله عليه وسلم وترك اكثار رسؤاله عمالا ضرورة اليه الخ ۲/۲۶۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک دن خطبہ دیا، وہ خطبہ ایسا تھا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف موضوعات پر خطبہ دیتے رہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اکثر ساتھ ہی رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت خطبے سن رکھے تھے لیکن کہتے ہیں کہ اس دن ایسا خطبہ دیا کہ اس جیسا خطبہ پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا اور اس خطبہ میں منجملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ

﴿لَوْ تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً﴾

اگر تم جانتے ہوتے وہ باتیں جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسا کرتے، تمہارا ہنسنا کم ہوتا، رونا زیادہ ہوتا کیونکہ اللہ کا عذاب اتنا شدید ہے کہ اس کا خوف انسان کو رونے پر مجبورا کرتا ہے، یہ خطبہ سن کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو حالت ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

فغطی اصحاب رسول الله صلی الله وجوههم کے اصحاب نے اپنے چہروں کو کپڑوں سے یا ہاتھوں سے چھپالیا ''**ولهم خنین**'' خنین کہتے ہیں زیادہ رونے کی آواز جو ناک کے راستے سے آرہی ہو مطلب یہ ہے کہ وہ بے تحاشا رو پڑے۔

ایک بات حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں یہ بھی کہی کہ اس دن سے زیادہ سخت دن صحابہ کرام پر کوئی دن نہیں آیا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت سے متعلق اس خطبہ میں بڑی خوفناک باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔

یوم القیامۃ کا مصداق

ایک روایت میں قیامت کی گرمی کا حال بیان فرمایا ہے، وہ روایت حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿تدنی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنَ الخلق حَتیّٰ تکونَ مِنْهُمْ کَمِقْدَارِ مِیْل﴾ (رواہ مسلم، رقم الحدیث ۲۸۶۴، باب فی صفة یوم القیمة)

فرمایا: ''قیامت کے دن سورج کو اتنا قریب کردیا جائے گا''، قیامت کا لفظ اس دن کیلئے بھی آتا ہے جب اس پوری کائنات کے نظام کو درہم برہم کردیا جائے گا۔ زمین، چاند، سورج سب آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور سب پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس کو بھی ''یوم القیامة'' کہتے ہیں اور اس کے بعد جب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے، زمین دوبارہ بنے گی اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ یہ اگرچہ یوم الحساب ہوگا لیکن اس کو بھی ''یوم القیامة'' کہہ دیتے ہیں اور اس حدیث میں وہی مراد ہے کہ میدان حساب میں آفتاب مخلوقات کے اتنا قریب کردیا جائے گا ''حتیٰ تکون منھم کمقدار میل'' یہاں تک کہ وہ آفتاب ان سے ایک میل کی مقدار کے برابر ہو جائے گا۔

قیامت کے دن کی گرمی کی شدت

یہ آفتاب اب ہم سے کروڑوں میل دور ہے، اتنے دور ہے کہ آٹھ منٹ کے بعد اس کی روشنی زمین پر پہنچتی ہے اور روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے یعنی روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی مسافت طے کرتی ہے اور یہ سورج کی روشنی ہم تک آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ آفتاب ہم سے اتنے کروڑ ہا کروڑ میل دور ہے۔ جب اس کی گرمی کا یہ حال ہے کہ پنکھے چل رہے ہیں لیکن پھر بھی پسینے چھوٹ رہے ہیں اور میدان حساب میں یہ آفتاب ایک میل کے برابر کردیا جائے گا یعنی لوگوں کو ایسا محسوس ہوگا کہ یہ ایک میل کے برابر آگیا ہے۔

میل سے کیا مراد ہے؟

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرنے والے ان کے شاگرد سُلَیم بن

عامرؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جو ''میل'' کا لفظ سنایا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ ''میل'' سے کیا مراد ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ عربی زبان میں ''میل'' دو معنیٰ میں آتا ہے۔ ''میل'' اس مسافت کو بھی کہتے ہیں جو ہمارے یہاں بھی معروف ہے یعنی ایک مقررہ مسافت' اور ''میل'' کے معنیٰ سلائی کے بھی ہیں جس سے سرمہ آنکھ میں لگاتے ہیں، حدیث میں اگر سرمہ لگانے والی سلائی مراد ہو پھر تو قیامت ہی قیامت ہے کہ آفتاب بالکل برابر میں ہوگا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب ایک میل کے فاصلے پر تو نہیں ہوگا بلکہ زیادہ فاصلے پر ہوگا۔ اسی لیے حدیث میں ''کمقدار میل'' فرمایا یعنی ''میل کی مقدار کی طرح'' یہ نہیں فرمایا کہ میل کی مقدار کے برابر کہ اگر کوئی چیز آفتاب سے ایک میل کے فاصلے پر بھی ہو تو وہ اسی وقت جل بھن کر تباہ ہو جائے لہٰذا بظاہر مراد یہ ہے کہ دیکھنے میں آفتاب ایسا معلوم ہوگا گویا کہ ایک میل کے برابر آ گیا۔ اس واسطے خلاصہ یہ کہ آفتاب قریب کر دیا جائے گا۔

اعمال کے بقدر پسینہ

﴿فَيَكُوْنَ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حِقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا، وَاَشَارَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم بِيَدِه اِلٰى فِيْهِ﴾

(رواه مسلم، رقم الحديث ۲۸۶۴، باب في صفة يوم القيامة)

جب اتنی وحشت ناک، خوفناک، خطرناک گرمی ہوگی تو لوگ اپنے اعمال کی مقدار کے برابر پسینے میں ہوں گے چنانچہ فرمایا ''فمنهم من يكون الى كعبيه'' بعضوں کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا ''ومنهم من يكون الىٰ ركبتيه'' اور بعضوں کا

پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا۔ ’’ومنهم من يكون إلى حقويه‘‘ اور بعض کا پسینہ حقوین تک ہوگا یعنی اس جگہ تک جہاں ازار، شلوار باندھی جاتی ہے۔ ’’ومنهم من يلجمه العرق الجاماً‘‘ اور بعضوں کا پسینہ ان کے منہ تک پہنچا ہوگا ایسا معلوم ہوگا کہ جیسا کہ منہ میں پسینے نے لگام ڈالی ہوئی ہے۔ گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالی ہوتی ہے تو آدھا منہ اس لگام سے اوپر ہوتا ہے، آدھا منہ اس لگام سے نیچے ہوتا ہے۔ قیامت کے دن بعض لوگوں کا یہی حال ہوگا یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوگا کہ جب سب لوگ ایک جگہ ہوں گے اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ پسینے کا ایک دریا سا ہوگا یعنی اتنا پسینہ ہوگا کہ وہ دریا کی سی شکل اختیار کر جائے گا یا تالاب کی سی شکل اختیار کر جائے گا تو پھر کسی کے ٹخنے تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کے ناف تک اور کسی کے منہ تک پسینہ کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے دریا میں سطح اونچی نیچی ہوتی ہے، ایسے ہی جن کے گناہ کم ہوں گے وہ ایسی جگہ پر ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا، جن کے گناہ ان سے زیادہ ہوں گے ان کا پسینہ گھٹنوں تک ہوگا وہ ذرا مزید بلندی پر ہوں گے، تو ایک جواب اس طریقے سے بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بات مشہور و معروف ہے اور قوانین قدرت میں سے ہے کہ پانی اپنی اوپر کی سطح بالکل ہموار رکھتا ہے تو اس سے اشکال اور بڑھ جاتا ہے کہ پسینہ بھی پانی ہے تو اس کی اوپر کی سطح بھی ہموار ہوگی۔ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو میں نے ابھی دیا ہے کہ پسینے کی سطح اگرچہ اوپر سے برابر ہے لیکن جہاں کھڑے ہوں گے وہ سطح اونچی نیچی ہوگی یعنی اعمال کے اعتبار سے لوگوں کو جگہ ملے گی، اس لحاظ سے کوئی کم پسینے میں ہوگا، کوئی زیادہ پسینے میں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے لیکن یہ قانون قدرت تو اس دنیا میں ہے اور دنیا کے قوانین قدرت کچھ اور ہیں اور دوسرے سیاروں کے قوانین

قدرت کچھ اور ہیں۔ آخرت کے قوانین قدرت کچھ اور ہیں مثلاً یہاں دنیا میں اگر کوئی چیز زمین پر ڈالی جائے تو اس کی زمین تک پہنچنے کی رفتار کچھ اور ہوگی اور اگر چاند پر اتنی بلندی سے چاند کی زمین پر کوئی چیز ڈالی جائے تو اس کی رفتار کم ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں کشش کی رفتار کچھ اور ہے، چاند میں کچھ اور ہے اور جو سیارے دنیا سے بھی زیادہ بڑے ہیں، وہاں گرنے کی رفتار اور زیادہ تیز ہے تو قوانین قدرت مختلف اجرامِ فلکیہ میں بھی مختلف ہیں اور آخرت میں تو بہت ہی مختلف ہوں گے۔

لہٰذا پسینے کی یہ کیفیت کہ اوپر کی سطح یکساں رہے، وہاں یہ قانون نہیں چلے گا، وہاں قانون دوسرا ہوگا اور اعمال کے حساب سے انسانوں کے پسینے کی سطح ہوگی۔

جہنم کی ہولناک گہرائی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک یہ روایت مروی ہے:

﴿قَالَ كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اِذ سَمِعَ وَجْبَةً فقال: "هَلْ تَدْرُوْنَ ماهذا؟" قلنا: اللّٰه وَرَسُولُه اعلَمُ، قال: "هذا حجر رُمِيَ بِهٖ في النار مُنذُ سَبْعين خَرِيفاً فهو يَهْوِي في النَّارِ الآن حتى انتَهَى إلى قعرها، فَسَمِعْتُمْ وَجْبَتَها﴾

(صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۸۴۴، باب جهنم اعاذ ناالله منها)

فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے یہ کیا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آواز صرف حضور ﷺ نے نہیں سنی تھی بلکہ حاضرین نے بھی سنی تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "اللہ ورسولہ اعلم" اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر تھا جو اب سے ستر سال پہلے جہنم کے کنارے سے جہنم میں پھینکا گیا تھا۔ اب وہ ستر سال کے بعد جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔ یہ اس پتھر کے

وہاں پہنچنے کی آواز تھی جو سنائی دی گئی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جہنم کی گہرائی کتنی ہولناک ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور ہم سب کو جہنم سے بچائے۔

جہنم سے بچنے کا راستہ

یہ ساری باتیں بلاشبہ خوفناک ہیں لیکن ان سے بچنے کا راستہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ میں دے رکھا ہے اور بچنا مشکل نہیں، آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ فرائض ادا کرتے رہو، واجبات ادا کرتے رہو، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہو، پھر بھی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو، توبہ کرتے رہو تو انشاء اللہ یہ سب عذاب دھرے رہ جائیں گے اور معافی ہو جائے گی۔ بس یہ کامیابی کا راز ہے اور جہنم کی ساری خوفناکیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتے نہیں ہے جو گناہوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ گناہ ہو جائیں تو ان پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ گناہ ہو جائیں تو ان سے توبہ نہیں کرتے، یہ عذاب ان لوگوں کے لیے ہیں اور انشاء اللہ ایمان والے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ فرائض اور واجبات بھی ادا کریں۔ اللہ کے حقوق بھی ادا کریں۔ بندوں کے حقوق بھی ادا کریں پھر بھی بھول چوک ہو جاتی ہے یا نفس و شیطان کے بہکاوے میں آکر جان بوجھ کر کوئی گناہ کر لیتے ہیں تو گناہ پر شرمندہ بھی ہو جاتے ہیں، اللہ سے ڈرتے بھی ہیں، معافی بھی مانگتے ہیں، انشاء اللہ ان کے لیے کچھ نہیں البتہ بندوں کے حقوق کا معاملہ خطرناک ہے۔ کسی کا مال مارا ہو، کسی کی عزت خراب کی ہو، کسی کو ناجائز تکلیف پہنچائی ہو تو جب تک وہ بندہ معاف نہیں کرے گا، اللہ بھی معاف نہیں کرتا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

(سامعین میں سے کسی نے ایک سوال کیا حضرتِ اقدس صدر صاحب مدظلہم نے اس کی وضاحت کر کے جواب دیا) یہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ بعض بچوں کے ہم نے حقوق پائمال کیے، کسی کو گالی دی، کسی کی غیبت کی، کسی پر بہتان لگایا، کسی کو کوئی

تکلیف پہنچائی اور اس کو بیس پچیس سال ہو گئے، اب پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے؟ زندہ بھی ہیں یا نہیں، تو ہم کیا کریں؟ یہ بڑا اہم سوال ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مایوسی کا راستہ پھر بھی نہیں رکھا۔ اس کا بھی ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کر دیں، کوئی نفلی عبادت کر لیں مثلاً اگر کوئی اپنا حج فرض ادا کر چکا ہے تو ان کی طرف سے نفلی حج کر لیں، نفلی عمرہ کر لیں یا تلاوت کر لیں اور پھر اس کا ثواب ان کو پہنچا دے اور دعا کرے کہ یا اللہ فلاں فلاں کو میں نے تکلیف پہنچائی تھی، یہ ثواب اس کو پہنچا دے اور اگر نام بھی یاد نہ رہے تو اللہ کو یاد ہے، اس لیے اللہ میاں سے کہہ دے کہ یا اللہ جس جس کی میں نے حق تلفی کی ہے، جس جس کا میں نے حق مارا ہے، جس جس کو ناحق تکلیف پہنچائی ہے، اس کو یہ ثواب پہنچا دیجئے اور میں نے یہ جو جرم کیا ہے اسکو آپ بھی معاف کر دیجئے اور اس سے بھی مجھے معاف کروا دیجئے۔ یہ دعا کر لو انشاء اللہ اپنے پاس سے اللہ میاں اجر عظیم دے کر اس سے معاف کروا دیں گے کیونکہ جب اس کو وہاں اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ دیکھو تمہیں فلاں نے گالی دی تھی، اس کے عوض میں تمہیں اتنا بڑا محل دیتا ہوں، وہ تو چوم چاٹ کے لے گا اور کہے گا کہ ہاں میں نے بالکل معاف کر دیا تو اس طرح کسی کو ناحق تکلیف پہنچائی ہو، اس کے لیے ایصال ثواب بھی کرے اور یہ دعا بھی کرے کہ اس سے معاف کروا کے اس کا اجر اپنے پاس سے اس کو دیجئے، میرے پاس تو اتنا اجر نہیں کہ اس کو دے سکوں۔ آپ اپنے پاس سے دے دیجئے، آپ کے پاس تو کوئی کمی نہیں، اللہ میاں ایسی باتوں سے بڑے خوش ہوتے ہیں، بندہ جب اپنے اللہ میاں پر ناز کرتا ہے، اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ سے مچل مچل کر مانگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اور خوش ہوتے ہیں اور زیادہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ دے اور دیتا رہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆......☆......☆

قیامت کی ہولناکیاں

موضوع: قیامت کی ہولناکیاں

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد طلحہ اقبال

﴿قیامت کی ہولنا کیاں﴾

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قرأ رسول الله صلی الله علیه وسلم "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" ثم قال اتدرون ما أخبارها قالوا الله و رسوله اعلم قال فان اخبارها ان تشهد علی کلی عبد أوامة بما عمل علی ظهرها تقول عملت کذا و کذا فی یوم کذا و کذا فهذه اخبارها.﴾

ترجمہ ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ''یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا '' (اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی) اور دریافت فرمایا کہ تم جانتے ہو زمین کی وہ خبریں کیا ہوں گی؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خبریں بندوں کے وہ اعمال ہیں جوانہوں نے زمین کی پیٹھ پر کیے وہ گواہی دے گی کہ اس نے مجھ پر رہتے ہوئے یہ یہ کام کیے اور فلاں فلاں

دن اس نے یہ کام کیے۔ یہی وہ اخبار ہیں یہ پارۂ عم کی سورۃ "اذا زلزلت" کی ایک آیت ہے، پوری سورۃ اس طرح ہے۔

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَ أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ اَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَالَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا، بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا، يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا، لِيَرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهٗ﴾

ترجمہ "جب جھنجوڑ دیا جائے زمین کو سخت جنبش سے اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے، اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی، اس وجہ سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں، سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا: جب زمین کو جھنجھوڑ دیا جائے گا اس کے زلزلے سے، مراد یہاں قیامت ہے، اس وقت سب کو موت آجائے گی، یہ یوم قیامت ہے، اس کے بہت عرصہ کے بعد، بہت مدت کے بعد، سالہا سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے سے قیامت آئے گی اور دوسری مرتبہ کے صور پھونکنے سے مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، مردے دوبارہ زندہ ہوکر قبروں سے نکلیں گے۔

یہ کون سا زلزلہ ہے؟

یہاں کون سا زلزلہ مراد ہے، دو مرتبہ زلزلے آئیں گے، بظاہر یہاں دوسرا

زلزلہ مراد ہے، یعنی جب میدانِ حساب کیلئے دوسرا صور پھونکا جائے گا اور مردے زندہ ہوں گے تو یہ زلزلہ آئے گا۔

واخرجت الارض اثقالها اور جب زمین الٹ پلٹ ہوگی اس زلزلہ کی وجہ سے تو زمین اپنے اندر کا سارا بوجھ باہر نکال دے گی۔

زمین کے خزائن

اندر کا بوجھ کیا چیزیں ہیں؟ دو چیزیں ہیں، کچھ تو وہ دفینے تھے جو لوگوں نے بچا کر دنیا والوں سے چھپا کر زمین میں دفن کر کے رکھے ہوئے تھے، اب بھی بسا اوقات دنیا میں آثار قدیمہ نکلتے رہتے ہیں۔ صدیوں پہلے کسی نے اپنا مال چھپا کر رکھا تھا اس کے تو کام نہ آیا وہ مر گیا اور مال اندر پڑا رہ گیا، تو اس وقت کوئی دفینہ باقی نہیں رہے گا۔ سارے دفینے باہر آ جائیں گے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب وہ (شخص) اس وقت نکلے ہوئے سونے کو دیکھے گا اور دیکھے گا کہ ڈھیر کے ڈھیر پڑے ہیں، سونے کے، چاندی کے، تو کوئی آدمی کہے گا کہ آہ! میں نے اس مال کیلئے فلاں کو قتل کیا تھا اور کوئی کہے گا کہ میں نے اس مال کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلقی کی اور دشمنی مول لی تھی، کوئی چور دیکھے گا اور افسوس کرے گا کہ آہ! یہ مال اتنا حقیر ہے اور اس کی وجہ سے میرے ہاتھ کٹے تھے۔ یہ آج پڑا ہوا ہے اب کسی کام نہیں آ رہا وغیرہ۔ تو ایک بوجھ تو یہ ہے جو دفینوں کی شکل میں باہر آئے گا اور دوسرا بوجھ وہ انسان ہیں جو زمین میں دفن تھے۔ وہ دوبارہ زندہ ہوں گے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان مرے تھے وہ دنیا ہی میں تو تھے۔ اسی زمین ہی میں تو تھے، اسی زمین سے وہ سب باہر نکال دیئے جائیں گے۔ گوشت پوست کے ساتھ، دوبارہ ان کے جسم بنا دیئے جائیں گے اور ان کے جسموں میں روح ڈال دی جائے گی، وہ پھر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور باہر نکل آئیں گے۔

''وقال الانسان مالها'' آدمی اس وقت کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے، کتنا زبردست اس میں زلزلہ ہے اور یہ سب کچھ اس کے اندر سے نکل رہا ہے۔ حیرت میں پڑ جائیں گے دیکھنے والے ''یومئذ تحدث أخبارها'' اس دن یہ زمین اپنی ساری خبریں بتا دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور پڑھ کر پوچھا ''اتدرون ما اخبارکم'' کیا تمہیں معلوم ہے کہ زمین اپنی کیا خبریں دے گی جس کا ذکر اس آیت میں ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے تو آپ نے فرمایا:

''وان اخبارها ان تشهد علی کل عبدوامة''

زمین کی گواہی

یہ زمین جو اپنی ساری خبریں بتا دے گی اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ یہ کہ ہر بندہ اور بندی کے بارے میں یہ زمین گواہی دے گی اور اعلان کرے گی کہ اے فلاں بن فلاں! تو نے میرے اوپر فلاں فلاں کام کیے تھے اور اے عورت! تو نے میرے اوپر فلاں فلاں کام کیے تھے، سارے اعمال کا کچا چٹھا یہ زمین سنا دے گی، جس زمین کو ہم روندتے ہیں جس زمین پر ہم رہتے اور پھرتے ہیں، جس زمین پر ہم سب کچھ کرتے ہیں، یہ سارا ریکارڈ ہو رہا ہے، یہ زمین ریکارڈر ہے، سب کو ریکارڈ کر لیتی ہے۔ سارے کچے چٹھے کو ریکارڈ کر رہی ہے۔ اس دن یہ ریکارڈ بول پڑے گا، اس کو جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔

''بان ربک اوحی لها'' زمین یہ سب کچھ کیوں بتائے گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اس وجہ سے کہ تیرے رب نے اسے یہی وحی کی ہوگی، یہی حکم دیا گیا ہوگا کہ تم یہ کام کرو، سب کا کچا چٹھا بتا دو، اللہ بچائے اس دن کی رسوائی سے، کتنے گناہ انسان چپکے چپکے کرتا ہے، نہ ماں کو خبر نہ باپ کو، نہ شاگرد کو نہ مرید کو، نہ بیٹے کو نہ بھائی کو اور نہ ہی بہن کو لیکن اس دن سارے راز کھل جائیں گے۔

اعمال کا نتیجہ

"یومئذ یصدر الناس اشتاتاً لِیَرَوْا اعمالهم" اب جب حساب کتاب ہو جائے گا، نیکی والوں کی نیکی ظاہر ہوگئی، گناہ والوں کے گناہ ظاہر ہو گئے اور ہر ایک کے ساتھ اعمال تھے، کچھ اچھے، کچھ برے، وہ سب ظاہر ہو گئے تو اب لوگ متفرق سمتوں میں جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ جو جنت والے ہیں، وہ جنت کی طرف جائیں گے اور جو جہنم والے ہیں، وہ جہنم کی طرف جائیں گے تا کہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں یعنی اپنے اعمال کے اثرات اور نتائج کو دیکھ لیں، اچھے اعمال والوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا اور برے اعمال والوں کا نتیجہ بھی سامنے آجائے گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہیں زمین کی خبریں۔

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کیف انعم و صاحب القرن قد التقم القرن و استمع الإذن متی یؤمر بالنفخ فینفخ، فکأن ذلک ثقل علی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لهم قولوا حسبنا اللّٰه ونعم الوکیل﴾

(ریاض/۲ ا ۴)

ترجمہ: "جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کیسے عیش کر سکتا ہوں جبکہ صور پھونکنے والے (فرشتہ) نے صور منہ میں لیا ہوا ہے اور اس کے کان اجازت ملنے پر لگے ہوئے ہیں کہ کب اشارہ ملے اور وہ صور پھونکے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بہت شاق اور پریشان کن ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "حسبنا اللّٰه

و نعم الوکیل" (اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے)
پڑھو۔

صور سے قیامت برپا ہوگی

قیامت جب آئے گی تو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نفخہ ہوگا، حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، وہ صور سینگ کی شکل کا بنا ہوا ہے مگر کتنا بڑا ہے یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو شروع شروع میں یہ آواز بہت ہلکی سی ہوگی، پھر رفتہ رفتہ بڑھے گی اور دم بدم بڑھتی چلی جائے گی، اب ایک دوسرے سے لوگ پوچھیں گے کہ یہ آواز کیسی ہے مگر کسی کو پتہ نہیں چلے گا، وہ بڑھتی جائے گی، لوگوں میں ہلچل مچے گی، وہ بھاگیں گے، دوڑیں گے اور آواز بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ اب لوگوں کو ہارٹ فیل ہونا شروع ہوں گے، پھر دل پھٹ جائیں گے اور پھر بڑھے گی تو لوگوں کی موتیں واقع ہونا شروع ہوں گی اور بڑھے گی تو زلزلے آئیں گے اور بڑھے گی تو زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوگی، پھر اور بڑھے گی تو کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اس کے بعد پہاڑوں کے ٹکڑے ہوں گے اور پہاڑ اڑنے لگیں گے۔ آسمان کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور پھر پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، ساری قیامت آواز کے ذریعے آئے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں کیسے مطمئن رہوں اور کیسے خوش ہو جاؤں جبکہ صور والے نے صور کو اپنے منہ میں لیا ہوا ہے اور کان لگا رکھے ہیں اللہ کے حکم کی طرف کہ کب اس کو حکم ملتا ہے کہ صور پھونک دے اور اس سے قیامت آ جائے۔

قیامت بہت قریب ہے

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت بہت قریب آچکی ہے۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں فرما رہے ہیں کہ قیامت اتنی قریب آ گئی ہے کہ

اسرافیل بالکل تیار کھڑے ہوئے ہیں۔صور کو انہوں نے اپنے منہ میں لے رکھا ہے اور ان کی نظریں اور کان اللہ کی طرف ہیں کہ کب اللہ کی طرف سے حکم آئے اور میں صور پھونک دوں اور قیامت آجائے ، قیامت تو اتنی قریب ہے، پھر میں کیسے آرام سے بیٹھ جاؤں۔

ایک سوال

آپ کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب اس وقت قیامت اتنی قریب آچکی تھی اور اب تو چودہ سو سال سے بھی اوپر ہو گئے تو پھر یہ قریب ہوئی یا دور؟

جواب

جواب یہ ہے کہ بہت قریب ہے، اس دنیا کی عمر تو دیکھو، اس زمین کی عمر تو دیکھو، اس نظام شمسی کی عمر تو دیکھو، اس کائنات کی عمر تو دیکھو اتنی عمر ہے کہ گنتی ختم ہو جائے۔کھربوں سالوں کی مگر ان کی عمر معلوم نہیں ہوسکتی۔ اتنی طویل عمر کے مقابلہ میں ہزار دو ہزار تین ہزار کی مدت تو ایسی ہے جیسے تین چار منٹ کی مدت،تو دنیا کی پوری عمر کے مقابلہ میں یہ مدت تو منٹوں اور سیکنڈوں کی طرح ہے تو اس وقت سے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کیلئے کھڑے ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حکم کب ملے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرائیل امین نے پوچھا ''متی الساعۃ '' کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بارے میں جتنی بات پوچھنے والے کو معلوم ہے جواب دینے والے کو اس سے زیادہ معلوم نہیں، مطلب یہ ہے کہ جتنا تم جانتے ہو اتنا میں جانتا ہوں، جس طرح تمہیں معلوم نہیں اسی طرح مجھے بھی معلوم نہیں اور اسرافیل کو بھی نہیں معلوم، اس واسطے تو انتظار میں کھڑے ہیں کہ جب حکم ہوگا صور پھونک دوں گا۔

پریشانی کے وقت کی مجرب دعا

"فکأن ذلک ثقل علی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" جب حضراتِ صحابۂ کرام نے یہ بات سنی تو صحابۂ کرام سہم گئے، ڈر گئے کہ قیامت کا زلزلہ تو بڑا خوفناک ہوگا، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم یوں کہو "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" گھراہٹ کی حالت میں تسلی کیلئے یہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہی بہترین کارساز ہے، اس سے بہتر کاموں کو بنانے والا کوئی نہیں۔ "حسبنا اللہ" کے معنی ہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہمیں کسی چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں۔ "ونعم الوکیل" وہ اچھا کارساز ہے، وہی اچھا کام بنانے والا ہے: تو ہماری بھی اس سے یہی امید ہے کہ وہی ہمارے کاموں کو بنائے گا تو کہا کرو "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" اس سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ جب بھی کوئی گھبراہٹ کی بات ہو یا کوئی پریشانی پیش آئے، کوئی خوف ہو یا دہشت ہو تو دل کی تسلی کیلئے یہ بہترین کلمہ ہے، یہ پڑھنا چاہیے۔ اس سے دل کو تسلی ہوتی ہے۔

قیامت کا اجمالی نقشہ

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ صحابۂ کرام کو جو ڈر ہوا شاید اس وجہ سے ہوا تھا کہ اگر قیامت ہمارے سامنے آگئی تو کیا حشر ہوگا کیونکہ وہ تو بہت خوفناک زلزلہ ہے، قرآن کریم میں فرمایا:

﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۚ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَ

تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (الحج/۱)

ترجمہ ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے، قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے، جس روز تم لوگ اس زلزلہ کو دیکھو گے، اس روز وہ حال ہوگا کہ تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی بہت سخت چیز ہے۔

قرآن کریم نے تھوڑا سا اس زلزلہ کا نقشہ کھینچا ہے، ڈرو اپنے رب سے قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے، بہت بڑی چیز ہے، ایسا سخت زلزلہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، دودھ پیتے بچے کو کوئی ماں نہیں بھولتی لیکن وہ خوف اور دہشت کیسی ہوگی کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور جتنی عورتیں حمل سے ہوں گی ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ خوف اور دہشت کی وجہ سے ''وتری الناس سکاری '' اس وقت تو لوگوں کو دیکھے گا کہ بظاہر وہ نشے میں ہیں، گھبراہٹ کے عالم میں ہیں، مدہوش ہیں، حواس کھو بیٹھے ہیں، لیکن ''وماھم بسکاری '' وہ نشے میں نہیں ہوں گے: ''ولکن عذاب اللّٰه شدید '' کہ اللہ کا عذاب ہی سخت ہوگا اس کے خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے حواس اڑ جائیں گے۔

ایک وضاحت

تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شاید یہ ڈر ہوا تھا کہ اگر قیامت ہمارے زمانے میں آ گئی تو ہمارے اوپر کیا بیتے گی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا دیا کہ تم ''حسبنا اللہ و نعم الوکیل '' پڑھا کرو، اور بعد میں دوسری روایات میں

آتا ہے کہ آپ نے مؤمنین کیلئے یہ خوشخبری دے دی کہ قیامت سے تقریباً سو سال پہلے ایک ہوا آئے گی، وہ ہوا بڑی نرم اور لطیف ہوگی جس سے لوگوں کو تکلیف نہیں ہوگی اور جتنے مؤمنین ہیں وہ ہوا ان تمام کی ارواح کو قبض کر لے گی۔ اس ہوا سے تمام مؤمنین کی روح قبض ہو جائے گی۔ روئے زمین پر جو جو مؤمن زندہ ہوگا سب کو موت آ جائے گی۔ اب جو دنیا میں باقی رہ جائیں گے، وہ سارے کافر ہوں گے چنانچہ حدیث ہی میں آتا ہے کہ قیامت دنیا کے بدترین انسانوں پر قائم ہوگی اور قیامت اس وقت آئے گی، جب روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا باقی نہیں رہے گا، کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔ اس وقت قیامت آئے گی، یہ بشارت ہے مؤمنین کیلئے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو یہ خوفناک منظر نہیں دکھائے گا، وہ صرف کافروں ہی کیلئے مقرر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین!

فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولا

موضوع: فتح و کامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ

﴿الحمد للّٰہ ونستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ نشھد ان لا الہ الا اللّٰہ ونشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم الرحمن الرحیم. ”یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُو اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ (انفال: ۴۶/۴۵)

”اے ایمان والو! جب تم کافروں کی کسی جماعت سے نبرد آزما ہوتو مضبوطی سے جمے رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ایسے حالات میں صبر سے کام لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

تہذیبوں کی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے

بندگان محترم و برادران عزیز:

اس وقت پورا عالم اسلام ایک عالم کفر کے مقابلے پر کھڑا ہوا ہے اور بعض عالمی طاقتیں تہذیبوں کی جنگ کا آغاز کر چکی ہیں اگر چہ وہ زبان سے اس کا انکار کرتی ہیں لیکن عملاً تہذیبوں کی جنگ یعنی کفر و اسلام کی جنگ شروع ہو چکی ہیں۔ آپ اس جنگ کے مظاہر افغانستان، فلسطین اور عراق میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور کشمیر میں ہندوستان کو اپنی مغربی طاقتوں سے تقویت مل رہی ہے بوسنیا میں جو ہوا وہ بھی زیادہ دیر کی بات نہیں ہے اور تاجدار کونین ﷺ کی شان اقدس میں جو گستاخی کی گئی جس میں کئی یورپی ممالک شریک تھے وہ ایسی شرمناک بات تھی جو پورے عالم اسلام کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اگر ہمارے اندر کچھ طاقت ہوتی تو ہم ان کو جواب دیتے۔

جنگ کا جواب مذاکرات سے نہیں دیا جاتا

ان کفریہ طاقتوں کو کبھی بھی مذاکرات اور گول میز کانفرسوں میں جواب کافی نہیں ہوا ہے یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے نہیں مانتے۔ آپ پورے پاکستان کی تاریخ دیکھ لیجئے پاکستان کو کبھی بھی مذاکرات سے فائدہ نہیں ہوا ہے اگر ہمیں کچھ ملا ہے تو جانیں دے کر ملا ہے۔

کشمیر کے جتنے حصے کو ۴۸ء میں مجاہدین نے جان ہتھیلیوں پر رکھ کر فتح کر لیا تھا آج بھی اتنا حصہ ہی ہمارے پاس ہے۔ ہمیں اس کے بعد سے آج تک ایک انچ بھی مذاکرات سے نہیں مل سکا۔ اور یہی نسخہ ہمیں قرآن مجید نے بتایا تھا کہ:

﴿وأعدُّوا لهُم ما استطعتُم مِن قُوَّةٍ﴾

''تم سے جتنی طاقت بھی ہو سکے تو ان دشمنوں کیلئے تیار رکھو۔''

اللہ تعالیٰ عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند کرے وہ نوجوان تھا اپنے ماں

باپ کا اکلوتا بیٹا تھا پڑھا لکھا، ذہین اور سمجھدار انسان تھا۔ اس کو بھی دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی تمنا تھی اس کے جذبات بھی تھے لیکن وہ ناموس رسالت ﷺ کی خاطر اپنی جان پر کھیل گیا پھر ان مغربی طاقتوں سے جنہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ انسانی حقوق کے دعویدار ہیں اور دنیا کو انسانی حقوق کا درس دینا چاہتے ہیں اپنی خباثت کا اظہار...... اس طرح کیا کہ عدالت کے فیصلے کے بغیر بڑی عیاری کے ساتھ تشدد کر کے اس قابل فخر نوجوان کو شہید کر ڈالا۔ اگر ہمارے پاس قوت ہوتی تو ہم ان کو جواب دیتے اور اس کا جواب فون کے ذریعے یا مذاکرات کی میز پر نہیں بلکہ اس کا جواب میدان جنگ میں دیا جاتا ہے۔ ہمارے اسلام کی پوری تاریخ یہی بتا رہی ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس قسم کے واقعات کا جواب ہمیشہ میدان جنگ میں دیا ہے۔ کیونکہ اس کا علاج ہی یہی ہے آپ ان سے جتنا دبیں گے یہ اتنا ہی آپ کو دباتے جائیں گے اگر ان کے سامنے سینہ تان کے بات کرو گے تو ان کو کچھ سمجھ بھی آئے گا۔

اب امریکہ بھی اپنے سارے معاملات طاقت کے ذریعے سے ہی حل کروا رہا ہے۔ یہ اقوام متحدہ کے ذریعے سے حل نہیں کروا رہا اور نہ ہی قراردادوں کے ذریعے سے معاملات حل کروا رہا ہے وہ واسطہ کے بل بوتے پر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل کر رہا ہے۔ اور دنیا کا کوئی قانون اس کا ساتھ نہیں دے رہا، نہ اخلاقیات اس کا ساتھ دے رہی ہیں اور نہ اقوام متحدہ کا چارٹر اس کی حمایت کر رہا ہے۔

دین اسلام تو یہ بات نہیں سکھاتا کہ طاقت کے نشے میں آ کر انصاف کو چھوڑ دیا جائے۔ البتہ اتنا ضرور سکھاتا ہے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دو۔ اگر طاقت کا جواب بزدلی سے دو گے تو تم اور دبتے جاؤ گے۔ اور دوسری اقوام تم پر مسلط ہوتی جائیں گی۔

کفر چار محاذوں پر حملہ آور ہے

تو اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر دونوں آمنے سامنے ہیں اور کچھ بیرونی

طاقتیں بغیر اعلان کیے سرد جنگ کا آغاز کر چکی ہیں اور چار بڑے محاذوں پر جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ایک ساتھ چار میدانوں مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ایک میدان، جنگ اور اسلحہ کا میدان ہے۔ دوسرا میڈیا کا میدان ہے تیسرا اکنامک اور معاشیات کا میدان ہے اور انہوں نے چوتھا میدان جو گرم رکھا ہے وہ لڑاؤ اور حکومت کرو کا راستہ ہے۔

اسلامی ممالک میں کبھی قومیت کی بنیاد پر کبھی شیعہ سنی کے نام پر اور کبھی فرقہ واریت کے نام پر لڑائیاں کراتے ہیں یاد رکھیں لڑائیاں کرانے والے، جو کبھی سنیوں کے مسجد پر حملہ کروادیتے ہیں کبھی شیعوں کے امام بارگاہوں پر حملہ کرادیتے ہیں اگرچہ ان کے نام مسلمانوں کے ہوں یہ درحقیقت انہی کفریہ طاقتوں کے ایجنٹ ہیں۔ اور یہ سب ایک ہیں نہ سنی ہیں نہ شیعہ ہیں بلکہ ان سب کے دشمن ہیں جو ان کے اشارے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ابھی جب امریکہ کی عراق میں زبردست پٹائی ہونے لگی تو وہاں شیعہ سنی جھگڑا کھڑا کر دیا'' یہ لڑاؤ اور حکومت کرو'' ان کا بنیادی اصول ہے انہوں نے اس اصول کے ذریعے ہندوستان پر ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی ہے اور پورے عالم اسلام پر بھی اسی طرح حکومت کی ہے۔

فتح کا پانچ نکاتی فارمولہ

تو اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر کے درمیان چار محاذوں پر جنگ جاری ہے تو اس وقت اشد ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کے حکم پر عمل کیا جائے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ أَطِيْعُو اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ

الصَّابِرِیْنَ﴾

پہلا فارمولہ: ثابت قدمی

یعنی اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ کسی طاقت سے ہو تو سب سے پہلے ثابت قدم رہو۔ ڈرو نہیں گھبراؤ نہیں انتشار کا شکار مت ہو جائے اپنے ہوش وحواس قائم رکھو اور جذبات اور جوش میں بہہ جانے کے بجائے سوچو، سمجھو اور منصوبے کرو۔ کیونکہ جذبات اور جوش میں آنے والا کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ جوش کے ساتھ ہوش بھی ہو تو فائدہ ہوتا ہے۔

ہماری شامت اعمال ہے کہ ہمارے یہاں جذباتیت بہت ہے۔ جذباتی باتوں اور جوشیلے نعروں کے پیچھے دوڑنا اور لپکنا ہمارا معمول بن چکا ہے۔ اور جوش میں آکر ہوش کو کھو بیٹھے ہیں حالانکہ جوش کو ہوش کے تابع ہونا چاہیے۔ ہوش کو جوش کے تابع نہیں ہونا چاہیے اسی لئے قرآن کریم نے دشمن قوتوں کے مقابلے کی پہلی ترکیب یہی بتائی ہے کہ ڈرو نہیں، اللہ پر بھروسہ کرو اور ثابت قدم رہو۔

دوسرا فارمولہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

دیکھئے یہ اللہ رب العلمین خود فرما رہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ یہ کسی مولوی کا بتایا ہوا نسخہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا کامیابی کا دوسرا نسخہ ہے کہ ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

قرآن حکیم کا مزاج

قرآن کریم کی عادت ہے کہ جب کسی مشکل کام کا حکم دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی کسی ایسے کام کا حکم بھی دے دیتا ہے جس سے وہ مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔

مثلاً اب کوئی بڑا طاقت ور دشمن ہے اس کے مقابلے میں ثابت قدم کیسے رہا جائے؟ کیونکہ ہمت ٹوٹ سکتی ہے، دہشت سوار ہونے کا قوی امکان ہے تو نسخہ بتا دیا کہ: واذکروا اللہ کثیرا: یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدم بھی رکھے گا تمہارے قدموں کو جما دے گا تمہیں ہمت اور صبر بھی دے گا اور تمہیں بہادری اور جرأت بھی عطا کرے گا جس سے تمہارے لئے قدموں کو ثابت قدم رکھنا آسان ہو جائیگا۔

تیاری بھی ضروری ہے!

اسی آیت کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ صرف ذکر اللہ کر کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا درست نہیں ہے بلکہ دشمن کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اور پھر مقابلے کے وقت دشمن کے سامنے ڈٹنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاد سے پہلے جہاد کی تیاری بھی کروائی ہے۔

تو جب تیاری کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ بھی ہوگا تو دلوں کو اطمینان نصیب ہو جائے گا اس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کہ دلوں کو اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی ملتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے ایک عمومی قانون معلوم ہو رہا ہے کہ ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ تمام کام کرنے چاہئیں۔ اور جس شعبے کے جو فرائض منصبی ہوں ان کو ادا کرنے کی پوی کوشش کرنی چاہیے۔ مثلاً آپ تاجر ہیں تو تجارت کریں اور ساتھ ہی ذکر اللہ بھی کرتے رہیں اگر آپ مزدور ہیں تو مزدوری بھی کرتے رہیں اسی طرح اگر آپ مبلغ یا مجاہد ہیں تو تبلیغ اور جہاد بھی کرتے رہیں لیکن ساتھ ساتھ اللہ کے ذکر کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ان کاموں کے ساتھ ساتھ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ اور جب

کثرت سے ذکر بھی ہوگا تو دل کو قوت ملے گی اور قوت سے اطمینان ملے گا اور اطمینان سے ثابت قدم رہنا اور تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا۔

اگر تیاری اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ ذکر نہیں ہوگا تو پاؤں اکھڑنے لگ جائیں گے۔ آپ بزدلی کا شکار ہو کر دشمن کے سامنے جھک جائیں گے۔ اور دشمن کی حکومتیں آپ پر مسلط ہو جائیں گی۔ تو گویا دشمن سے مقابلے کا دوسرا فارمولہ ذکر کی کثرت کو بتایا گیا ہے۔

تیسرا اور چوتھا فارمولہ: اللہ اور رسول کی اطاعت

دشمن قوتوں سے مقابلے کا تیسرا فارمولہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تمہیں جن چیزوں کا حکم دیا ہے انہیں کرو اور جن کاموں سے تمہیں منع کیا ہے ان سے رک جاؤ۔ اسی کا نام اطاعت ہے اور اس ایک مختصر سے جملے کے اندر مامورات اور منہیات داخل ہو جاتی ہیں۔

پانچواں فارمولہ: آپس میں جھگڑے سے بچنا

کامیابی اور غلبے کے لئے پانچواں نسخہ جو بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ولا تنازعُوْا﴾

''آپس میں پھوٹ مت ڈالو اور ایک دوسرے سے جھگڑا مت کرو۔''

کیونکہ اگر تم آپس میں پھوٹ ڈالو گے، اور ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہو گے تو اس کا نقصان عظیم یہ ہوگا کہ فتفشلوتم کمزور ہو جاؤ گے۔ ''وتذهب ریحکم'' اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن کے دلوں سے تمہارا خوف نکل جائے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن تم پر غالب آ جائے گا۔

تو قرآن کریم کا غلبے اور کامیابی کے لئے بتایا ہوا پانچ نکات پر مشتمل فارمولہ اور نسخہ یہی ہے۔

پانچوں نکات کا خلاصہ: ''صبر''

اور اس پانچ نکاتی فارمولے کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

﴿وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾

اور صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو گویا ثابت قدمی، ذکر اللہ، اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت اور تنازع نہ کرنا، ان پانچوں کاموں کا خلاصہ صبر ہے۔

کیونکہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے میں بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں بھی صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اطاعت میں بہت سارے کاموں کو کرنا پڑتا ہے اور بہت سارے کاموں کو چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی درحقیقت صبر ہی کا ایک حصہ ہے اور جہاں تک تعلق ہے تنازع سے بچنے کا تو وہ بھی صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

غلبے سے محرومیت کا سبب

آج ہمیں کامیابی نہیں مل رہی اور ہم غلبے سے محروم ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ آج ہم نے اس پانچ نکاتی فارمولے کو چھوڑ رکھا ہے اور سب سے پہلا حکم جو ثابت قدم رہنے کا تھا وہ حکم ہم سے ترک ہوگیا ہے تو جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ہماری کمزوری کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی کو آسان بنانے کے لئے حکم دے دیا ہے کہ واذکروا کہ ذکر کرتے رہے اس سے ثابت قدم رہنا آسان ہو جائے گا۔

ذکر اللہ کے آسان طریقے

اب ذکر اللہ کی آسان صورت کیا ہے؟ تو اس کے متعلق ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت آسان طریقہ بیان فرمایا ہے۔
وہ یہ کہ چار کاموں کو اختیار کرلیا جائے تو ہر لمحہ ذکر میں مشغول رہنا آسان اور ممکن ہوسکتا ہے۔

پہلا طریقہ: "شکر"

ان چار کاموں میں سے پہلا کام شکر ہے شکر کی اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی معصیت میں استعمال نہ کیا جائے اور زبان سے شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دل سے اس ذات اقدس کے احسانات کو مانا جائے لیکن شکر کا ایک آسان نسخہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ہماری روز مرہ کی زندگی میں جتنے کام ہماری مرضی کے مطابق ہوں چاہے وہ کام دین کا ہو یا دینا کا کام ہو تو الحمد اللہ کہہ دیا کریں۔
اگر ہم سوچیں گے ایک تو نہیں بلکہ ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہماری مرضی کے مطابق ہوتی ہیں تو ہر دفعہ میں الحمد اللہ کہہ کر شکر ادا کرنا چاہیے۔

کتاب اللہ کا آغاز الحمد للہ سے......

اگرچہ ہمارے نزدیک صرف "الحمد للہ" کہنا کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر اللہ کے نزدیک اس کلمے کی بہت بڑی اہمیت ہے اس بات کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اور صحیفے نازل کیے ہیں ان میں سب سے آخری اور سب سے عظیم الشان کتاب قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے مثل کتاب کا خلاصہ اور دیباچہ سورۃ فاتحہ کو بنا دیا ہے جو تمام مضامین قرآنیہ کا خلاصہ ہے اور اس خلاصے اور دیباچے کو "الحمد للہ" سے شروع فرمایا ہے۔ آخر کچھ تو بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو اتنا پسند فرمایا ہے کہ اس

سے کتاب اللہ کا آغاز کیا ہے.........؟

اہل جنت اور شکرِ خداوندی

اسی طریقے سے جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے تو ان کے ذمے سے ساری عبادتیں ختم کردی جائیں گی لیکن حدیث میں آتا ہے کہ شکر ایک ایسی عبادت ہے کہ جو اہل جنت کی زبانوں پر غیر اختیاری طور پر جاری رہے گا۔ اور اہل جنت بغیر ارادے کے الحمدللہ اور دیگر حمد وثناء کے کلمات سے شکر خداوندی ادا کرتے رہیں گے۔

شکر نعمتوں میں اضافے کا ذریعہ

شکر ایسی چیز ہے جس سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم کا وعدہ ہے کہ: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

تو گویا جو انسان یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو مزید نعمتیں عطا فرمائیں تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر کثرت سے ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح جہاں نعمتوں میں اضافہ ہوگا وہاں واذکر اللہ کثیراً پر عمل بھی ہوگا جس سے ثابت قدمی نصیب ہوگی۔

ذکر اللہ کا دوسرا آسان طریقہ: ''صبر''

کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا دوسرا آسان طریقہ یہ بیان فرمایا کہ روزمرہ زندگی میں کئی کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہماری مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔ تو جب بھی کوئی کام ہماری مرضی کے خلاف ہو مثلاً کوئی پریشانی آجائے، خدانخواستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ کوئی دکھ لاحق ہو جائے الغرض ہماری چاہت کے خلاف کوئی بھی کام ہو تو فوراً انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لینا چاہیے۔

قرآن مجید نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ اہل ایمان انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر صبر حاصل کرتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون صرف کسی کے انتقال کے وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر ایسے موقع پر پڑھا جاتا ہے جب انسان کو کوئی ادنیٰ سی بھی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو۔

ذکر اللہ کا تیسرا آسان طریقہ: ''استغفار''

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا تیسرا طریقہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمایا کہ اگر ہم غور کریں تو صبح سے شام تک ہمارے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتے ہیں تو جب بھی کوئی کام خلاف شرع ہو جائے تو فوراً استغفر اللہ کہہ دینا چاہیے۔

مثلاً راہ چلتے کسی غیر محرم کی طرف قصداً دیکھ لیا یا بغیر ارادے کے نگاہ پڑی مگر نگاہ فوراً نہیں ہٹائی تو گناہ ہو گیا یا دوران گفتگو کوئی خلاف شرع بات زبان سے نکل گئی، یا کسی کو ناجائز طریقے سے چھو لیا یا کان بہک گئے اور ناجائز باتیں اور گانے سن لیے یا کبھی دل سے غلط ارادہ کر لیا، یا پاؤں ناجائز کام کی طرف اٹھ گئے الغرض جب بھی کوئی گناہ سر زد ہو جائے تو استغفر اللہ کہنے کی عادت ڈال لیں۔ کہ یا اللہ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے مجھے معاف فرما دیجئے۔ اگر ہم اس کی عادت ڈال لیں تو ہم معافی مانگتے رہیں گے اور گناہ معاف ہوتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں معافی مانگنے والوں کو معاف کر دیتا ہوں۔

البتہ بندوں کے حق تلفیاں اس سے معاف نہیں ہوتیں۔ ان کی معافی کے لئے صاحب حق سے معاف کروانا ضروری ہے۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو ہمارے صغیرہ گناہ بھی جو ہر روز صبح سے شام تک ہم سے سرزد ہوتے ہیں وہ بھی لاتعداد ہیں۔ تو استغفار کی عادت ڈالنے سے صغیرہ گناہ بھی معاف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کثرت سے ذکر کرنے

والوں میں ہمارا شمار بھی کرلیں۔

ذکراللہ کا چوتھا آسان طریقہ: ''استعاذہ''

ذکر اللہ کی کثرت اختیار کرنے کا چوتھا طریقہ استعاذہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا۔

یعنی دنیا اور آخرت میں جو مشکل پیش آئے یا کوئی خطرہ لاحق ہو تو فوراً دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے ذریعے سے مدد مانگ لی جائے۔ کہ یا اللہ مجھے فلاں خطرہ لاحق ہے۔ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اسی طریقے سے شیطان اور نفس کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے اور انسانوں میں سے بھی جو انسان کے دشمن ہوں ان کے شر سے بچنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے۔ تو جب انسان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی درخواست کرتا رہے گا تو اس کو ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ملتی رہے گی۔

خلاصہ کلام

اگر ہم ان طریقوں کو اپنالیں تو ہمیں ہر وقت ذکر اللہ کرتے رہنے کی توفیق مل سکتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی یاد ہر لمحہ حاصل ہوگی تو پھر دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا اور باقی امور پر عمل کرنا بھی آسان ہوجائیگا جو اسلام کے غلبے اور کفر کی مغلوبیت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

خوف و رجا

موضوع: خوف اور رجاء

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

ضبط و ترتیب: مولانا محمد طلحہ اقبال

﴿خوف اور رجاء﴾

خطبۂ مسنونہ!

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين وعلىٰ آلهٖ واصحابه اجمعين وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين!

اما بعد!

فاعوذ باللّٰه من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من خاف ادلج ومن أدلج بلغ المنزل ألا ان سلعة الله غالية الا ان سلعة الله الجنة. (ترمذى)

عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبيى، فاذا امرأة من السبيى تسعى، اذا وجدت صبياً فى السبيى أخذته فألزقته ببطنها فأرضعته، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم

أتـرون هـذه المرأة طارحةولدها في النار، قلنا لا والله،
فقال الله ارحم بعباده من هذه بولدها. (بخاری و مسلم)

تمہیدی کلمات:

گزشتہ کئی مجلسوں سے خوف اور رجاء کا بیان چل رہا ہے، اسی سلسلہ کی ایک حدیث یہ ہے جو آرہی ہے۔

ابتداءِ رات میں سفر کرنے کا فائدہ

جو شخص ڈرتا ہے وہ رات کو جلدی چلتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ سفر کرنے میں مجھے کوئی حادثہ یا تکلیف پیش آ جائے گی تو وہ دیر نہیں کرتا رات کو جلدی چل پڑتا ہے اور جو کوئی رات کو جلدی چل پڑے وہ منزل کو پہنچ ہی جاتا ہے کیونکہ یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میں نیند کا غلبہ بھی نہیں ہوتا، اور دشمن کے حملے کے اندیشے بھی کم ہوتے ہیں، جانوروں کے حملوں کا اندیشہ بھی کم ہوتا ہے، برخلاف اخیر شب کے کہ اس میں تھکان زیادہ ہو جاتی ہے لہٰذا جو رات کو جلدی سفر شروع کر دیتا ہے، تو وہ منزل پر عافیت سے پہنچ ہی جاتا ہے، مقصد یہ ہے کہ منزل تک پہنچنے کیلئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔

مسافر سے تشبیہ دینے کی وجہ

(حدیث میں) مسافر کی یہ بات تشبیہ (مثال) کے طور پر فرمائی ہے کہ جس طرح مسافر راستہ کی مصیبتوں اور برے انجام سے بچنے کیلئے جلدی چلنے کی کوشش کرتا ہے اور مستعدی و چستی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے گا اور آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوگا وہ بھی نیک اعمال میں مستعدی دکھائے گا اور کوشش کرے گا کہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال ہو جائیں، اس میں سستی نہیں کرے گا۔

اس تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ آدمی سفر کے برے انجام سے بچنے کیلئے جس

طرح جلدی سفر شروع کر دیتا ہے اور اس میں سستی نہیں کرتا، اسی طرح آخرت اور قبر کے عذاب سے بچنے کیلئے انسان کو چستی سے کام لینا چاہیے اور اس میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔

ہر کام کیلئے محنت ضروری ہے

چاہے دنیا کا کام ہو یا آخرت کا ہر کام کیلئے تھوڑی سی محنت تو کرنی پڑتی ہے، تھوڑی سی قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں، کچھ مشقت تو اٹھانی پڑتی ہے، اس کے بغیر کام نہیں چلتا، دنیا کے مقاصد بھی بغیر محنت کے نہیں ملتے، آخرت کے مقاصد بھی محنت کے بغیر نہیں ملتے البتہ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ دنیا کے مقاصد حاصل کرنے کیلئے آدمی زیادہ محنت کرتا ہے اور ملتا کم ہے جبکہ آخرت کے مقاصد کیلئے تھوڑی سی محنت کرنی پڑتی ہے اور بہت کچھ کما لیتا ہے، بہر حال کچھ نہ کچھ قربانی دینی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا سامان مہنگا ہے

آگے فرمایا کہ ''الا ان سلعة اللّٰه غالية '' کہ اللہ کا سامانِ تجارت مہنگا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جس چیز کو فروخت کر رہے ہیں وہ سستی نہیں ہے، پھر فرمایا کہ وہ چیز جنت ہے، خلاصہ یہ کہ جنت کا سودا نہیں ہوسکتا، قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

ترجمہ'' کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے معاوضہ میں خرید لیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا سامانِ تجارت جنت ہے، وہ بندوں کو ان کے نیک اعمال کے بدلہ میں جنت دیتا ہے تو نیک اعمال کیلئے کچھ مشقت تو اٹھانی پڑتی ہے، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

میدانِ حشر میں انسان کے احوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''یحشروا الناس یوم القیامة حفاة عراة غرلاً'' قیامت کے دن جب انسان قبروں سے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تو وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ہوں گے، خلاصہ یہ کہ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ پاؤں میں جوتے اور نہ بدن پر کپڑے اور نہ ختنہ ہوئی۔ اسی طرح سے تمام انسان عورتیں بھی ہوں گی اور مرد بھی ہوں گے۔ زبردست ہجوم ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان نیک و بد، مومن و کافر پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ کیے جائیں گے۔ کتنا بڑا زبردست اجتماع ہوگا۔ کھربوں انسان ہوں گے، وہ سب ننگے ہوں گے۔

حضرت عائشہؓ کا سوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ''الرجال و النساء جمیعا ینظر بعضھم الی بعض'' کہ سارے کے سارے مرد و عورت اسی حالت میں ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الأمر أشد ان یھمھم بذلک اور دوسری روایت میں ہے کہ ''الأمر أھم ان ینظر بعضھم الی بعض'' وہاں حال ایسا ہوگا کہ اس کی کس کو ہمت ہوگی، اور اس کا کسی کو خیال نہیں آئے گا کہ ایک دوسرے کو دیکھے، نہ دیکھنے کی ہمت ہوگی اور نہ خیال آئے گا، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی، کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا دھیان نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہولناک دن ہوگا۔

اللہ رب العزت کا غصہ

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن اتنا غضبناک ہوگا کہ اس سے پہلے کبھی غضبناک نہیں ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس کے بعد غضبناک ہوگا، جب میدان حساب میں تمام لوگ زندہ کیے جائیں گے تو اس وقت کسی کو کہاں ہوش ہوگا کہ سارے کے سارے ننگے ہیں اور وہ ان کو دیکھے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آخرت کی صحیح فکر پیدا فرمادے۔ آمین!

میدانِ حساب کی ہولناکی

میدان حساب بڑا ہولناک ہے لیکن یہ ہولناکی انہی لوگوں کیلئے ہے جو اس کی ہولناکی سے دنیا میں ڈرتے نہیں، جو لوگ ڈرتے ہوں گے اور وہاں کیلئے کچھ تیار کرتے ہوں گے، اگر گناہ ہو جائے گا تو معافی مانگتے ہوں گے، توبہ کرتے ہوں گے تو ان کے لیے وہاں (قیامت میں) اللہ کی رحمت استقبال کرے گی۔

چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ آپ میری طرف سے پیغام دے دیجئے کہ:

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الآیة)﴾

کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف (ظلم) کیا ہے یعنی بہت گناہ کیے ہیں تو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، وہی سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ سے مایوس مت ہو

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مایوس ہونا بھی کفر ہے، کتنے بھی گناہ ہو گئے ہیں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، جب تک آدمی کو موت

کے فرشتے نظر نہیں آتے اس وقت تک اس کیلئے توبہ کا موقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہو جائے اور عزم کرے کہ آئندہ نہیں کروں گا تو یہ توبہ کی حقیقت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ معاف فرما دیں گے۔ توبہ سے معاف ہو جائے گا تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، ڈرنے کی وجہ تو ہے، لہٰذا ڈرنا تو چاہیے لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، اللہ کی رحمت سے امید رکھو۔

کچھ کرنا ضروری ہے

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ بلکہ کچھ کرنا پڑے گا جیسا کہ پہلے گزرا کہ جس کو نقصانات کا ڈر ہوتا ہے، وہ پہلے سے چلتا ہے، احتیاط کرتا ہے۔ اسی طریقہ سے جسے اللہ کے عذاب کی فکر ہے، وہ بچنے کی کوشش کرتا ہے، اپنے نیک اعمال کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، پھر بھی اگر کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ و استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرما دیا "وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ" کہ میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، رحمت کی کمی نہیں ہے، اللہ رب العزت کے پاس مغفرت کی کمی نہیں، ہاں مغفرت مانگنے والا کوئی ہو۔ مانگنے والے چاہئیں دینے والے کے پاس دینے کی کمی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی کا بدلہ

چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" کہ جو شخص کوئی نیکی کا کام کرے گا اس کو دس گنا ثواب ملے گا یعنی اس کے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب دس گنا لکھا جائے گا۔ صدقہ آپ نے

ایک روپیہ کیا، نامۂ اعمال میں دس روپے لکھا جائے گا، سو روپے صدقہ کیے نامۂ اعمال میں ہزار روپے لکھا جائے گا، روزہ ایک رکھا نامۂ اعمال میں دس روزے لکھے جائیں گے، حج ایک کیا تو نامۂ اعمال میں دس حج لکھے جائیں گے، دو رکعتیں پڑھیں تو نامۂ اعمال میں بیس رکعتیں لکھی جائیں گی، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، پھر فرمایا ''أو أزیــد'' اور ثواب اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض نیکیوں کے بارے میں فرما دیا کہ ان کا ثواب تو سات سو پر بھی ختم نہیں ہوتا مثلاً روزہ کا ثواب تو اللہ تعالیٰ خود دیں گے، ہم اس کا کوئی حساب نہیں رکھتے، سات سو گنا سے بھی زیادہ دیں دینگے۔ تو اللہ رب العالمین کی رحمت کا تو یہ حال ہے کہ اس کی کوئی حد و انتہا نہیں اور اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، نیکیوں کے بارے میں یہ قانون رکھا کہ کم از کم دس گنا لکھا جائے گا اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔

برائی کے بدلہ کا اصول

اور گناہ کے بارے میں یہ اصول رکھا کہ ''فَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا'' کہ اگر کوئی شخص گناہ کرے گا تو اس کا گناہ ایک ہی لکھا جائے گا۔ یہ اللہ رب العالمین کی رحمت ہے، کرم ہے، ہم بندوں پر کہ گناہ ہو تو ایک لکھا جائے اور نیکی ہو تو کم از کم دس نیکیاں لکھی جائیں گی، پھر فرمایا کہ ''أو أغفر'' کہ اگر میں چاہوں گا تو اس ایک گناہ کو بھی جو لکھا گیا ہے معاف کر دوں گا۔

اللہ رب العزت کا بندہ سے مغفرت کا معاملہ

فرمایا کہ جو شخص ایک بالشت میرے قریب آتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب جاتا ہوں، ''فمن تقرب منی شبراً تقربته منه ذراعًا ومن تقرب منی ذراعاً تقربته منه باعاً'' اور جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں اس کی طرف دو

ہاتھ بڑھتا ہوں ''ومن اتیتہ یمشی اتیتہ ھرولۃ'' اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف جھپٹ کر بڑھتا ہوں۔ ''ومن لقینی بقراب أرض خطیئۃ لایشرک بہ شیئی لقیتہ بمثلھا مغفرۃ'' اور جو شخص مجھ سے ملے گا زمین کی بھرائی کے برابر گناہ لے کر (اتنے گناہ ہوں کہ ساری زمین اس کے گناہوں سے بھر جائے) وہ آخرت کے میدان حساب میں میرے پاس آئے گا اس حالت میں کہ وہ میرے ساتھ شریک نہیں کرتا ہوگا تو میں اس سے اتنی ہی مغفرت کے ساتھ ملوں گا۔

گناہوں کا ازالہ کیسے ہو

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بس یونہی معافی ہو جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کو خوف ہوگا وہ کچھ نہ کچھ کام کرے گا، وہ کم از کم کیا ہے کہ گناہ ہو جائے تو معافی مانگو توبہ کرتے رہو، جب بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیں گے۔

حقوق العباد کی معافی نہیں

یاد رکھئے کہ پہلے بھی اس مضمون کی حدیثیں آئی ہیں اور آگے بھی کچھ اور آیات اور احادیث بھی آئیں گی لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ یہ سارا کا سارا معاملہ حقوق اللہ میں چلتا ہے، بندوں کے حقوق میں نہیں چلتا کیونکہ بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک کہ بندوں سے یا تو معاف نہ کرایا جائے یا ان کو ان کا حق نہ دے دیا جائے، یہ سب کچھ جو ہے کہ سب معاف ہو جائے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے حقوق کو معاف کر دے گا جبکہ بندوں کے حقوق اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا جب تک کہ بندہ خود ہی معاف نہ کر دے یا اس بندہ کو اس کا حق نہ دلوا دیا جائے۔

اولاد سے ماں کی محبت کا واقعہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ

سے واپس تشریف لائے اور اپنے ساتھ مردوں اور عورتوں پر مشتمل دشمن کے قیدیوں کو بھی لائے، ان میں سے ایک قیدی عورت دوڑتی ہوئی آئی، اچانک اس نے ایک بچہ کو دیکھا جو قیدیوں کے ساتھ تھا، تو اس عورت نے اس بچہ کو پکڑ لیا اور اپنی گود سے چمٹا لیا اور اس کو دودھ پلایا، دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ جنگ میں اس عورت کا دودھ پیتا تو بچہ گم ہو گیا تھا، تو وہ عورت ان تمام قیدیوں میں اپنے بچہ کو تلاش کرتی بیتاب پھر رہی تھی، تو اس کو ایک بچہ نظر آیا وہ کسی اور عورت کا بچہ تھا، تو اس عورت نے اس بچہ کو اپنی گود سے چمٹایا اور اس کو دودھ پلایا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''**أترون هذه المرءة طارحة ولدها في النار**'' کہ کیا تمہارا گمان ہے کہ یہ عورت اپنے اس بچہ کو جس کی تلاش میں اتنی پریشان وسرگرداں ہے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی۔ ''**قلنا لا والله**'' (صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ) ہم نے کہا ہرگز نہیں، بخدا ہمارا یہ گمان نہیں کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''**لله ارحم بعباده من هذه بولدها**'' خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچہ پر رحم کرتی ہے یعنی جتنی رحمت اس عورت کو اپنے بچہ پر ہے اس سے کہیں زیادہ رحمت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر ہے، لہٰذا وہ اپنے بندوں کو ایسے ہی جہنم میں نہیں پھینک دیں گے، جہنم میں تو وہی جائیں گے جو جری ہوں گے، اپنے گناہوں پر شرمندہ نہیں ہوتے ہوں گے، توبہ واستغفار نہ کرتے ہوں گے اور اگر گناہ ہو جائے تو اس کی تلافی کی کوشش نہ کرتے ہوں گے تو ایسے لوگ جہنم میں جائیں گے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم میں کیسے پھینکے گا، اس کو تو ماں باپ سے بدرجہا زیادہ محبت اپنی مخلوق سے ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہمارے پالنے والے ہیں، وہ ہمیں جہنم میں ایسے ہی تھوڑا پھینک دیں

گے، بہت ہی کوئی مجرم ہوگا تو وہ پھینکا جائے گا۔

سب سے بڑا مجرم کون ہے

سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے، اپنے گناہ پر شرمندہ نہ ہو، اپنے گناہ کی اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، اپنے گناہ سے توبہ نہ کرے لیکن جو شخص ڈرتا رہے اور معافیاں مانگتا رہے تو وہ گناہ بھی کرتا رہے گا اور گناہ معاف بھی ہوتے رہیں گے۔ اسی میں اگر اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو حساب ہوگا۔ اس حساب کے بعد جن کے نیک عمل زیادہ نکلیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جن کے نیک عمل کم نکلیں گے ان کا معاملہ اللہ کی مشیت پر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، بخش دیں گے اور جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے۔

اللہ رب العزت کی رحمت کے حصے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگائیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو (۱۰۰) حصے کیے، "**فامسک عنده تسعة و تسعین**" پھر اس سے ننانوے (۹۹) حصے اپنے پاس روک لیے۔ "**وانزل فی الأرض جزواً واحدا**" اور ایک حصہ زمین پر اتارا یعنی جتنی رحمت تھی اس کے سو حصے کیے، اس میں سے ننانوے اپنے پاس روک کر ایک کو دنیا میں اتارا۔ "**ومن ذلک الجزئیة تراحم الخلائق حتی ترفع الدابه حافرها عن بلدها خشیة ان تصیبه**" پس وہ ایک حصہ جو زمین پر اتارا تھا یہی وہ رحمت ہے جو تمام انسانوں اور جانوروں میں ہے، بہائم وحشرات الارض کے اندر جو رحمت کا مادہ ہے یہ وہی ایک حصہ ہے جو ساری مخلوقات میں تقسیم ہوا۔ انسانوں میں، جنات میں حتیٰ کہ جتنے جاندار ہیں ان میں وہ حصہ تقسیم ہوا جس کی بدولت ایک انسان دوسرے انسان پر ایک جانور دوسرے پر رحم کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے اندر

جتنا رحم کہیں پایا جاتا ہے چاہے وہ انسانوں میں ہو یا جانوروں میں وہ سب اسی ایک حصہ میں سے ہے۔ دیکھو ماں اپنے بچہ کی، مرغی اپنے بچہ کی، بکری اپنے بچہ کی کیسے حفاظت کرتی ہے[1] تو کتنی رحمت ماں کے دل میں ہوتی ہے، باپ کے دل میں ہوتی ہے، بھائیوں کے دل میں ہوتی ہے، رشتہ داروں کے دل میں ہوتی ہے، اسی طرح ایک انسان کے دل میں بھی دوسرے انسان کا رحم ہوتا ہے، اسی طرح جو جانوروں کا رحم ہوتا ہے یہ سارا کا سارا ایک وہی حصہ ہے جس کو اللہ نے تقسیم کیا ہے۔ پوری دنیا میں تو اس کے ذریعہ مخلوقات ایک دوسرے پر رحم کر رہی ہیں اور رحمت کے بقیہ ننانوے حصہ اللہ رب العزت نے اپنے پاس اپنے واسطہ رکھے ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنے بندوں کو دے گا اور دوسری روایت میں ہے ''**وأخر اللہ تعالیٰ تسعة و تسعین رحمة**'' کہ ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے روک رکھی ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں پر قیامت کے دن میدان حساب میں اور پھر جنت میں رحم فرمائے گا، اب اندازہ کرلیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین!

قبر کے سوالات

قبر کے اندر کافر ہو یا مسلمان ہر ایک سے تین سوال ہوتے ہیں۔ پہلا سوال ''**من ربک؟**'' کہ تیرا رب کون ہے؟ تجھ کو پالنے والا کون ہے؟ دوسرا سوال ''**وما دینک**'' کہ تیرا دین کیا ہے؟ تیسرا سوال ''**من ھذا الرجل الذی بعث فیکم؟**'' رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے گا کہ جو تمہارے اندر اللہ کا پیغام دے کر بھیجے گئے تھے ان کے بارے میں بتاؤ کہ یہ کون ہیں؟ یہ تین سوال ہیں جو مؤمن

---

[1] یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچہ سے ہٹا لیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں میرا پاؤں اسے نہ لگ جائے۔ گائے، بکری وغیرہ کو آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں اس کا بچہ قریب آیا وہ فوراً اپنا پاؤں ہٹا لیتے ہیں، یہ کیا ہے؟ یہ وہی رحمت ہے جو ساری مخلوقات کے کام آرہی ہے۔

ہوگا وہ ان تینوں سوالات کے صحیح جوابات دے گا، جو شخص دنیا کے اندران تینوں باتوں پر ایمان رکھتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا تھا، اپنے رب کو ایک مانتا تھا، دین اسلام کو دین حق سمجھتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا تھا، ایسے شخص سے قبر کے اندر جب سوال کیا جائے گا تو وہ کلمہ طیبہ ''اشھد ان لا الٰه الا اللّٰه وان محمد رَّسُوْلُ اللّٰه '' پڑھے گا اور گواہی دے گا چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَة '' اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے، ان کو قولِ ثابت (قولِ حق) کے ذریعہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جو لا الٰه الا اللّٰه کے کلمہ پر ایمان رکھتے ہوں گے اور زبان سے اقرار کرتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سوال وجواب میں ان لوگوں کو ثابت قدم رکھے گا۔ منکر نکیر جب سوال کریں گے، تو وہ جوابات بھی صحیح دے گا۔

کافر کے نیک اعمال کا حساب

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان الكافر اذا عمل حسنة اطعم بها طعمة فى الدنيا '' جب کافر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کے عوض اس کو دنیا ہی میں کوئی نعمت دے دی جاتی ہے کیونکہ کافر بھی نیک عمل کرتے ہیں مثلاً غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، راستہ بھولے ہوئے آدمی کو راستہ بتلا دیتے ہیں، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہیں، مریضوں کی خدمت کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں وغیرہ بے شمار نیکیاں ہیں جو کافر بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایمان نہیں رکھتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلم نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف ہے اس لیے اعلان کر رکھا ہے کہ کافر کی نیکی کو بھی بیکار نہیں جانے دیں گے۔

مؤمن کے نیک اعمال کا حساب

دوسری طرف مؤمن کے نیک اعمال کا حساب اس طرح ہوگا ''واما المؤمن

فان اللہ تعالیٰ یدخر لہ حسناتہ فی الآخرۃ '' کہ مؤمن کی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ آخرت کیلئے ذخیرہ کر کے محفوظ رکھتا ہے۔ ''ویعقبہ رزقاً فی الدنیا علی طاعتہ '' اور (مؤمن) کی بندگی، اطاعت و فرمانبرداری پر دنیا میں بھی اس کو رزق دیتا ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ نیک عمل مسلمان کا ہو یا کافر کا کبھی بیکار نہیں جاتا۔ مسلمانوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ اسے نیک عمل کرنے پر آخرت میں بھی ثواب ملے گا اور دنیا میں بھی نیکیاں ملیں گی جبکہ کافر کا معاملہ یہ ہے کہ آخرت میں تو اس کو کچھ ملنے والا نہیں لیکن جتنی نیکیاں اس نے دنیا میں کیں، اس کا بدلہ اس کو دنیا میں ہی مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حساب بتا دیا ہے کہ کافر کا دنیا میں ہی حساب پورا کر دیں گے تا کہ آخرت میں اس کا کوئی مطالبہ باقی نہ رہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ہمارے مرشد حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت سنائی کہ ایک شخص موت کے بالکل قریب تھا، تو مرتے وقت اس کا زیتون کا تیل یا شہد کا دل چاہا اور وہ شہد اس کمرے کے طاق میں رکھا ہوا تھا، اس کا دل چاہا کہ وہ شہد وہاں سے لے لے، چنانچہ اس نے کسی کو اشارہ بھی کیا کہ وہ مجھے دے دو لیکن ابھی وہ استعمال نہیں کر پایا تھا کہ وہ شہد زمین پر گر گیا۔ جس فرشتہ نے یہ کام کیا کہ وہ شہد گرا دیا وہ جب کام مکمل کر کے جانے لگا تو راستہ میں اس کی ملاقات دوسرے فرشتہ سے ہوگئی۔ ایک فرشتہ نے دوسرے سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو، تو فرشتہ نے کہا کہ زمین پر ایک مسلمان مر رہا تھا، مرتے وقت اس کا دل چاہا کہ وہ شہد کھالے، اس کے لیے اس نے کوشش بھی کی لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جا کر اس کو گرا دو، تو میں شہد کو زمین پر گرا کر آرہا ہوں تا کہ وہ پی نہ سکے۔ اس نے پوچھا کیوں؟ فرشتہ نے کہا مجھے ''کیوں'' کی خبر نہیں، مجھے تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھی کہ یہ کام کر کے آؤ، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس کو شہد نہیں پینے دینا

جا کر اس کو گرا دو، تو اس کے پینے سے پہلے طاق میں رکھا ہوا شہد گر گیا۔

دوسرے فرشتہ نے اس فرشتہ سے پوچھا کہ تم کیا کر کے آرہے ہو؟ (فرشتہ نے) کہا کہ عجیب بات ہے! میں ایک یہودی کے پاس سے آرہا ہوں، وہ بھی مرنے والا ہے بلکہ اب تو شاید مر بھی گیا ہوگا، مرتے وقت اس کا دل مچھلی کھانے کو چاہا، اس نے گھر کے اندر ایک حوض بنا رکھا تھا جس میں اس نے مچھلیاں پال رکھی تھیں لیکن اس میں مچھلیاں ختم ہوگئیں۔ گھر والوں سے اس نے کہا کہ ذرا جا کر دیکھو کہ اگر کوئی مچھلی اس میں باقی ہو تو اس کو نکال کر پکا دو، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا تھا کہ اس کے حوض میں مچھلی ڈال کر آجاؤ تاکہ مرتے وقت اسے مچھلی مل جائے تو میں اس کے حوض میں مچھلی ڈال کر آرہا ہوں، اس فرشتہ نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے، فرشتہ نے جواب دیا کہ وجہ تو مجھے معلوم نہیں، مجھے تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ کام کر کے آنا ہے۔

سبب سے متعلق اللہ سے سوال

اللہ تعالیٰ تو سب جانتے ہیں لیکن ظاہری طور پر بھی ملائکہ رپورٹیں پیش کرتے ہیں، چنانچہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچے تو کسی فرشتہ نے پوچھا کہ یا اللہ! آپ کا کوئی حکم کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، اس میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ وہ جو مؤمن مرنے والا تھا اس نے میری بہت سی عبادتیں کی تھیں اور گناہ بھی جتنے ہوئے تھے اس نے سب سے معافی بھی مانگ لی تھی اور توبہ بھی کر لی تھی، البتہ ایک گناہ اس کے ذمہ ایسا باقی تھا کہ نہ اس نے معافی مانگی تھی اور نہ توبہ کی تھی، تو جب اس نے اتنی نیکیاں کر رکھی تھیں، اپنے سارے گناہ معاف کرا رکھے تھے۔ صرف ایک گناہ باقی رہ گیا تھا تو میری رحمت کا تقاضہ یہ ہوا کہ میں اس کو اس ایک گناہ کی وجہ سے عذاب نہ دوں تو میں نے اس گناہ کی تلافی کیلئے یہ کام کیا کہ مرتے وقت جو وہ شہد پینا چاہتا تھا وہ شہد اس کو پینے نہیں دیا اور اس سے اس کو جو تکلیف پہنچی اس کی وجہ سے اس

کا وہ گناہ میں نے معاف کر دیا۔ اب جب وہ میرے پاس آئے گا تو اس کے لیے میرے پاس سوائے ثواب کے کچھ نہیں ہوگا۔ سارا ثواب ہی ثواب ہوگا، رحمت ہی رحمت ہوگی۔

دوسری طرف وہ جو یہودی تھا وہ کافر تھا، میرا دشمن تھا، لیکن اس نے بہت سارے نیک کام بھی کر رکھے تھے، میں اس کے بدلہ میں اس کو نعمتیں دیتا رہا، دیتا رہا، چنانچہ میں نے سب کا بدلہ اس کو دے دیا تھا، مال و دولت بھی دیا، عہدہ بھی دیا، بیوی بچے بھی دیئے، رہنے سہنے کا مکان بھی دیا، زندگی دی، عمر دی، سب کچھ دیا البتہ ایک نیکی ایسی باقی تھی کہ جس کا اجر اسے دنیا میں نہیں ملا تھا، تو میں نے چاہا کہ جب اس کی یہ خواہش ہوئی ہے کہ مچھلی کھائے، تو میں نے مچھلی بھجوا دی تاکہ یہ کھالے اور وہ جو ایک نیکی باقی رہ گئی تھی اس کے بدلہ میں اس کو مچھلی دے دی، اب میرے ذمہ اس کا کوئی اجر و ثواب باقی نہیں اور یہ میں نے اس لیے کیا تاکہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کے لیے میرے پاس سوائے عذاب کے اور کچھ نہ ہو۔

دنیا میں نیک اعمال کا فائدہ

تو خوب یاد رکھئے کہ اس حدیث سے بڑی اہم اور زبردست بات معلوم ہو رہی ہے کہ دنیا میں ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں، ان کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہوتا ہے، مؤمن کو اس کے کچھ نیک اعمال کا ثواب دنیا میں مل جاتا ہے اور باقی کا آخرت میں ملے گا اور کافر کو اس کے نیک کاموں کا سارا ثواب دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔

دنیا میں کافر ترقی کیوں کر رہا ہے

اس گزشتہ بات سے ایک بہت بڑے اشکال کا جواب بھی سامنے آجاتا ہے، وہ اشکال یہ ہے کہ ہم دنیا کے اندر دیکھتے ہیں کہ کافر قومیں بڑی ترقی کر رہی ہیں، بڑے آرام و راحت سے رہتی ہیں، ملک و مال دولت کی ان کے پاس خوب فراوانی ہے، اتنے اونچے اور شاندار محلات، مکانات ہیں، بازار ہیں شہر ہیں، ترقی یافتہ ممالک ہیں جبکہ

مسلمانوں کا جو حال ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

اس کا جواب واضح ہے کہ وہ (کافر) بہت سارے نیک کام کرتے ہیں، وہ عام طور سے جھوٹ نہیں بولتے ہیں، عام طور سے وعدہ خلافی نہیں کرتے، تجارت میں دھوکہ نہیں دیتے، ناپ تول میں کمی نہیں کرتے، کسی کو بے وجہ تکلیف نہیں پہنچاتے، اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ پڑوسی کو میری آواز سے تکلیف نہ ہو، ان کا یہ مزاج ہم نے آزمایا ہے اور جا کر دیکھا ہے، ان سے اگر کوئی راستہ پوچھے تو وہ اتنی تفصیل سے راستہ بتاتے ہیں کہ آدمی کو پوری طرح راستہ سمجھ میں آجائے اور جب تک بتانے والے کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اس نے سمجھ لیا ہے، وہ جاتا نہیں بار بار پوچھتے ہیں کہ آپ نے سمجھ لیا یا نہیں اور اگر اس کو پتہ چل جائے کہ یہ نہیں سمجھا تو وہ ساتھ جا کر اصل جگہ تک چھوڑ کر آتا ہے، کبھی بے تکے انداز سے جواب نہیں دیتا، یہ میں نے امریکہ، جرمنی اور مختلف ممالک میں آزمایا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ، رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، یہ کافر لوگ ہیں چنانچہ اگر یہ سارے نیک کام ہم بھی کرنے لگیں تو ہمیں بھی دنیا میں بہت کچھ مل جائے گا۔

سبق آموز واقعہ

جرمنی میں ہمارے ایک دوست فرینکفرٹ سے ہمیں دریا کے کنارے، پہاڑ کے دامن میں بہت خوبصورت اور چھوٹے سے قصبہ میں ساتھ لے گئے، وہاں ان کے ایک دوست نے ہماری دعوت کر رکھی تھی، وہ ہمیں لے گئے، جب ہم ان کے اس قصبہ میں پہنچے تو وہاں ان صاحب کا مکان تلاش کرنا تھا، عصر کے بعد کا وقت تھا، کچھ بچے کھیلنے جا رہے تھے، ان میں سے جو لڑکا نسبتاً بڑی عمر کا تھا، اس سے ہمارے میزبان نے جرمنی زبان میں پوچھا کہ فلاں صاحب کا مکان کہاں ہے، وہ فوراً دوسرے بچوں سے علیحدہ ہو کر سوچتا رہا، پھر پوچھا کہ آپ نے نام کیا بتایا، پھر گھر کا نمبر پوچھا، دماغ سے سوچنے کے

بعد اس نے پورا راستہ ہمیں سمجھایا، پھر لڑکوں سے کہا کہ تم لوگ جاؤ اور ہمارے دوست سے پوچھا کہ آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں یا میں آپ کے ساتھ چلوں، ہمارا دوست نے کہا کہ اگر ساتھ چلو تو بہت اچھی بات ہے، اس نے کہا ٹھیک ہے، میں آگے آگے ان چھوٹی چھوٹی گلیوں میں پیدل چل رہا ہوں، آپ پیچھے پیچھے آجائیں اور پھر اس گھر پر پہنچا کر وہ فارغ ہوا۔

ان چیزوں کی تربیت ان کو بچپن سے ملتی ہے، تو یہ کتنا بڑا نیک کام ہے کہ کسی کو راستہ بتلایا جائے، تو اس قسم کی نیکیوں کا ثواب اسے دنیا ہی میں مل جاتا ہے، البتہ آخرت میں کچھ ملنے والا نہیں، بلکہ آخرت میں عذاب ہی عذاب ہے، لیکن دنیا میں چونکہ انہوں نے بہت سارے نیک کام کر رکھے ہیں اور کر رہے ہیں اس کا فائدہ ان کو دنیا ہی میں مل رہا ہے، وہی نیک کام اگر ہم بھی کرنے لگیں گے تو ہمیں بھی وہ سارے فائدے دنیا میں ملنے لگیں گے، دراصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے رسول ﷺ کی تعلیمات کو بھلا بیٹھے ہیں، اور یہ کفار جو نیک کام کر رہے ہیں یہ سارے وہی نیک کام ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے بتلائے ہیں، چنانچہ اس کا فائدہ وہ تو اٹھا رہے ہیں، لیکن ہم نے چھوڑ دیئے تو ہم فائدہ نہیں اٹھا رہے۔

پنج وقتہ نمازوں کی مثال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی مثال اس بہتے ہوئے گہرے دریا کی سی ہے جو تمہارے گھر کے دروازے سے ملا ہوا ہے اور وہ گھر والا آدمی اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہے، یہ حدیث مختصر ہے، دوسری روایت میں مزید تفصیل ہے، وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے گھر کے پاس کوئی بہتا ہوا گہرا دریا ہے اور وہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا، تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ

نہیں رہے گا، آپ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے، جو شخص پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا رہے گا اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا، یہاں بھی وہی بات ہے کہ اس سے بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوں گے، وہ تو سب کو دینے پڑیں گے لیکن اگر کوئی اور گناہ ہوا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

دریا کا پانی صاف ہونا ضروری ہے

یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ اس دریا کی بات ہے جس کا پانی صاف ہو، لیکن اگر آدمی نے اپنے دریا کو ہی گندا کر رکھا ہے اور اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہے تو نہانے کے باوجود اس سے گندگی اور میل کچیل دور نہیں ہوگا۔ غور کیا جائے تو ہمارے بہت سے لوگوں کا حال بھی یہی ہے۔ کمائی حرام ہے، لوگوں کے حقوق تلف کرنا، لوگوں سے لڑائی جھگڑے کرنا، ناشکری کرنا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، وغیرہ ان سب چیزوں سے اپنے دریا کو خراب کر رکھا ہے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اس میں خضوع وخشوع نہیں اللہ کی طرف دھیان نہیں دنیا کے اندر دماغ الجھا ہوا ہے، دنیا کی ہی گندگیوں میں ذہن لگا ہوا ہے، تو اس کی مثال بھی ایسی ہوگی کہ نہر میں نہاتا تو ہے لیکن نہر کا پانی گندا ہے تو ایسے دریا میں نہانے سے صفائی کہاں ہوگی بلکہ میل کچیل باقی رہ جائے گا۔ اسی طریقہ سے نماز کا معاملہ ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کا انجام

میں نے اس سے پہلے شاید کبھی سنایا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک خاتون کا ذکر کیا گیا کہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہے اور رات بھر عبادت کرتی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا سلوک اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کیسا ہے، لوگوں نے بتایا کہ پڑوسیوں کے ساتھ تو اس کا سلوک بڑا خراب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گی، اب دیکھئے! نماز تو وہ بھی پڑھتی تھی، نفلیں بھی پڑھتی تھی، بلکہ رات بھر جاگ کر

تہجد کی نماز بھی پڑھتی تھی، لیکن اس نے پڑوسیوں کو ستا ستا کر اپنے اس دریا کو گندا کر رکھا تھا، تو جس دریا میں وہ نہایا کرتی تھی جو کہ وہ نمازیں ہیں تو اس نے اسی کو خراب کر رکھا تھا۔

پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کا انجام

ایک اور عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ فلاں عورت پڑوسیوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتی ہے، ہر ایک کے ساتھ بہت اچھا معاملہ کرتی ہے، کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، ان کے کام آتی ہے، ان کی مدد کرتی ہے، حسن اخلاق سے رہتی ہے البتہ نفلی عبادتیں زیادہ نہیں کرتی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عورت جنت میں جائے گی کیونکہ فرائض تو وہ ادا کر رہی ہے اور لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک بھی اچھا ہے، گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچا رکھا ہے تو جنت میں جائے گی۔

مرنے والے کیلئے بخشش کا ذریعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کا انتقال ہو اور اس کے جنازہ پر ایسے چالیس آدمی کھڑے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اس مرنے والے کے بارے میں قبول فرمائے گا، یہاں شفاعت سے مراد سفارش ہے اور سفارش سے مراد وہ دعا ہے جو جنازہ میں پڑھی جاتی ہے یعنی ''**اللھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا و ذکرنا و انسانا ط اللھم من احیتہ منا فأحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان**'' تو یہ جو جنازہ کی دعا ہے یہ بھی سفارش ہے، یعنی جو لوگ نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے اس دعا کے ذریعے اس میت کیلئے سفارش کرتے ہیں کہ یا اللہ! اس کی بھی مغفرت فرما اور ہماری بھی مغفرت فرما۔ تو اس حدیث میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ اگر کسی کے جنازہ پر چالیس

آدمی نماز پڑھنے والے ہوں لیکن وہ چالیس کے چالیس ایسے ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس دعا کو قبول کرے گا اور اس میت کے حق میں اس کی مغفرت فرمادے گا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے اور قوی درجے کی ہے۔ اس میں بہت ہی اہم خوشخبری ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے، اب دیکھئے کہ اللہ کی رحمت کے دروازے کیسے کھلے ہوئے ہیں چنانچہ اگر کوئی بہت ہی گناہگار آدمی ہے لیکن اس کے جنازہ پر چالیس یا اس سے زائد ایسے آدمی شریک ہوگئے کہ وہ شرک نہیں کرتے ہوں اور نمازِ جنازہ بھی انہوں نے سنت کے مطابق پڑھی ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس مرحوم کی مغفرت فرمادیں گے۔

کھانے کے بعد کی دعاء کا فائدہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک وقت کا کھانا کھائے یا ایک مرتبہ پانی پیئے اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تعریف کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے راضی ہو جاتا ہے، یہ کتنی اہم اور یاد رکھنے کی بات ہے، اس کے پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے، اس کو یاد کرنا چاہیے۔ بلکہ ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کروائیں، وہ مسنون دعا یہ ہے "**الحمد للّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و کفانا و اعوانا و جعلنا من المسلمین**" تو جس شخص کی یہ عادت ہو کہ ہر کھانے کے بعد یہ مسنون دعا پڑھتا ہو اور پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں لہٰذا پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے راضی ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر کوئی ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں، تو بندہ تھوڑا سا کام بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

صرف نفلی عبادتیں کافی نہیں

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا کھانے کے بعد یہ مسنون دعا پڑھ لیں اور پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہہ دیں تو بس یہ عمل کافی ہوگیا، اب نہ نماز کی ضرورت اور نہ روزے کی ضرورت، اگر یہ بات تھی اور یہی مطلب تھا تو پھر قرآن کیوں نازل ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں نمازیں کیوں پڑھاتے تھے اور یہ سارے احکامات کیوں نازل ہوئے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ سارے فرائض بھی ادا کرتا ہے اور گناہوں سے بھی بچتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ نفلی کام بھی کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ کا منتظر ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا اب رات میں توبہ کرلے اور اسی طرح دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کرلے۔ یہاں تک کہ آفتاب (سورج) مغرب سے طلوع ہو جائے گا اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کیلئے ہر وقت ہاتھ پھیلا ہوا ہے، اس لیے کہ کسی جگہ رات ہے کسی جگہ دن ہے، کہیں آفتاب غروب ہو رہا ہے تو کہیں طلوع ہو رہا ہے لہٰذا جس شخص نے بھی گناہ کرلیا ہے وہ جس وقت چاہے میرے سے توبہ کرلے، میرا ہاتھ پھیلا ہوا ہے، مجھے اپنی توبہ دے دو میں اس کو قبول کرلوں گا۔

توبہ اور ایمان کا دروازہ بند ہونے والا ہے

خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے دروازے کھول رکھے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا تو یہ توبہ کا دروازہ

بھی بند ہو جائے گا، پھر اگر کوئی شخص ایمان بھی لائے گا تو اس وقت وہ ایمان قبول نہیں ہوگا اور اگر کوئی مسلمان تھا، مؤمن تھا لیکن کچھ گناہوں سے اس نے توبہ نہیں کر رکھی تھی تو جن گناہوں سے توبہ نہ کی تھی وہ موت آنے کے بعد کی جانے والی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی، اسی طرح جب مسلمان کو اور بندہ کو موت کے فرشتے نظر آنے لگیں تو اس وقت بھی توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

☆......☆......☆

فضیلت یوم عاشورہ

موضوع: فضیلت یوم عاشورہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دار العلوم کراچی

موقعہ: جمعۃ المبارک

ضبط وترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

﴿فضیلت یوم عاشورہ﴾

الحمد للّٰہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی نبیّہ المجتبی
و علی عبادہ الذین الصطفی اما بعد!

اسلام مکمل ضابطۂ حیات

یہ محرم الحرام کا مہینہ ہے اور آج چار محرم ہے، اس مہینے کا نام ''محرم'' ہے۔ یعنی حرمت والا اور عظمت والا مہینہ۔

اس مہینہ سے اسلام کا نیا سال شروع ہوتا ہے۔ اللہ رب العلمین نے یہ دین اسلام ایسا مکمل دین دیا ہے کہ اس میں ہمارے لیے سب کچھ ہے۔ ہمیں کسی اور مذہب و دین کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسلام نے ہمیں کیلنڈر بھی اپنا دیا ہے، تقویم دی ہے، ہمارا سال یکم جنوری سے شروع نہیں ہوتا، یکم محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا سال یکم جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مہینوں کے نام کچھ اور ہیں اور ان کے مہینوں کے نام کچھ اور ہیں۔

ان کے دنوں کی تعداد میں اور ہمارے دنوں کی تعداد میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اسلامی سال اور شمسی سال میں ۱۱ دن کا فرق ہے۔ ہجری سال میں چاند کے حساب سے ۱۱ دن پہلے پورا ہوتا ہے اور شمسی سال میں ۱۱ دن زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت

ساری چیزوں میں فرق ہے۔

ہم نے اپنی روایات کو بھلادیا......!

ہم نے اپنی روایات کو بھلا دیا، آج کسی بچے سے پوچھیں کون سی تاریخ ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ وہ یہ تو بتائے گا کہ فروری کا مہینہ ہے اور اتنی تاریخ ہے اگر اس سے پوچھیں کہ چاند کی تاریخ کیا ہے تو اس کو معلوم نہیں ہوگا بلکہ بیشتر بچوں کو تو اس مہینے کا نام بھی یاد نہ ہوگا۔ یہ ہماری شامتِ اعمال ہے۔ ہم احساس کمتری کا شکار ہوگئے۔ انگریزوں نے ہم پر ڈیڑھ سو سال حکومت کی ہے اس عرصہ میں جو طبقہ ان کی نوکری چاکری پر لگا رہا ان کے ذہنوں اور دماغوں پر انگریزوں کی غلامی مسلط ہوگئی اور انہوں نے صرف یہ کیا کہ خود اسلامی روایات کو بھول گئے بلکہ ہماری نسلوں کے اندر سے بھی ایک ایک اسلامی روایت کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

صرف ایک ملک، ''سعودی عرب'' ایسا ہے جہاں اسلامی سال کے اعتبار سے کام ہوتے ہیں اور چاند کی تاریخ سے تمام معاملات ہوتے ہیں لیکن ہم نے اس کو بھلا دیا ہے۔ إنا لله وإنا اليه راجعون۔

محرم الحرام میں کرنے کے اہم کام

اس مہینے میں شرعی اعتبار سے کچھ کام کرنے کے ہیں اور کچھ کام نہ کرنے کے ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ اس مبارک مہینے میں کرنے کے دو کام ہیں۔ پہلا کام نویں اور دسویں تاریخ کو یا دسویں اور گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا۔ محرم کی دسویں تاریخ کو ''یوم عاشورہ'' کہا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کا پس منظر

اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ابھی تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے۔ اسلامی احکامات اور تعلیمات ایک دفعہ ہی نہیں نازل ہوئیں۔ ۲۳ سال کے

عرصے میں تھوڑے تھوڑے، رفتہ رفتہ اعمال واحکام آتے ہیں۔ ہوا یوں کہ آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہاں یہودیوں کے کئی قبائل آباد تھے۔ بنونضیر، بنو قینقاع، بنو قریظہ اور دیگر قبائل تھے۔ ان یہودیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ یہ لوگ دس محرم کو روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے روزہ رکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ آج کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم وستم سے آزادی عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا گیا تھا۔ اس کے شکرانے کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور بنی اسرائیل نے روزہ رکھا تھا تو ہم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء میں شکر کے طور پر اس روز روزہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو ہم تو زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ ہم اس دن روزہ رکھیں کیونکہ تم نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے اور ہم حقیقی معنی میں ان کو ماننے والے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شبہ پیدا ہوا کہ اس دن یہود بھی روزہ رکھتے ہیں، اگر ہم بھی اسی دن روزے رکھیں گے تو ان کی تہذیب اور رسم ورواج سے مشابہت ہو جائے گی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صوموا

یہاں "واؤ" "اَوْ" کے معنی میں ہے کہ تم عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرو لیکن اس میں یہودیوں کی مخالفت کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عاشورہ کے ساتھ یا تو نویں تاریخ کا روزہ رکھو یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھو۔

نویں اور دسویں تاریخ کے روزہ کا حکم

چنانچہ حکم یہی ہے کہ فقہاء کرام نے صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے جب تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عاشورہ کا روزہ بطورِ فرض کے رکھتے تھے۔ جب رمضان المبارک کے احکامات آگئے اور رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو پھر عاشورہ کے روزے کی فضیلت منسوخ ہوگئی چنانچہ عاشورہ کا روزہ نفلی اور مستحب کام ہے۔ رکھیں گے تو ثواب ملے گا نہ رکھیں تو گناہ یا مؤاخذہ نہیں ہوگا لیکن یہ روزہ رکھنا اجر عظیم کا باعث اور بہت بابرکت کام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص عاشورہ کا روزہ رکھے گا تو یہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا'' لہٰذا یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا جائے اور اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھا جائے۔

یوم عاشورہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

یوم عاشورہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ
''جو شخص اپنے زیر کفالت افراد کے خرچے میں عاشورہ کے دن فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں سال بھر برکت عطا فرمائیں گے۔''

لہٰذا دوسرا کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی مالی طور پر وسعت دی ہے اس کے مطابق ہم عام دنوں کی بہ نسبت یوم عاشورہ کے دن اپنے گھر والوں پر زیادہ خرچ کریں۔ عام دنوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر کھانا کھلائیں۔ بچوں کو نسبتاً زیادہ پیسے دے دیں اور میں سوچتا ہوں کہ شاید اس کے اندر اپنے گھر کے ملازمین اور کارخانوں کے مزدور بھی شامل ہیں کیونکہ حدیث مبارکہ میں حکم تو زیر کفالت افراد کے بارے میں آیا ہے

چنانچہ چاہے یتیم بچے ہوں یا بیوی، بہن بھائی یا اور کوئی رشتہ دار اس کے زیر کفالت ہوں۔ اس میں اضافہ کردیں اور اپنے کارخانوں کے مزدوروں کو بھی اس دن کچھ زیادہ دے دیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

انسان جتنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا اس کے مال میں کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ اور برکت ہوتی جائے گی لیکن ایسا کرنا فرض یا واجب نہیں ہے اور سنت اور مستحب کام ہے۔ محض برکت کی چیز اور دنیا کا فائدہ ہے اور جب زیادہ کھلائیں پلائیں اور خرچ کریں گے تو اس کا ثواب خود بخود مل جائے گا اور گھر والوں کو کھلانے کا ثواب تو ویسے بھی ملتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"سب سے بہتر مال کا خرچ وہ ہے جو اپنے گھر والوں پر خرچ کیا جائے۔"

ہاں اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ فضول خرچی نہ ہو بلکہ معروف طریقے پر رواج اور عرف کے مطابق خرچ کیا جائے۔

نوحہ اور ماتم کی شرعی حیثیت

باقی اور بہت سے کام جو اس مہینے میں ہوتے ہیں وہ سب لغو اور خرافات ہیں۔ دین کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ہماری شامتِ اعمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے جو کام کرنے کے تھے وہ نہیں ہو رہے اور جو کام نہ کرنے کے تھے اور آپ ﷺ نے جن کاموں کو کرنے سے روکا تھا وہ ہو رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سینہ کوبی، ماتم کرنے اور بالوں کو نوچنے سے سختی سے منع فرمایا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مر جاتا تھا تو لوگ سوگ مناتے تھے اور ماتم کرتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کام عورتیں کرتی تھیں جو ایسے موقعوں پر چیختی چلاتی تھیں۔ بالوں کو نوچتی تھیں، سینہ پیٹتی تھیں اور نوحا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا

اور فرمایا کہ ''میں ایسی عورتوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

''جو شخص سینہ کوبی کرے گا یا ماتم کے طور پر اپنے جسم کو نوچے گا تو آخرت میں اس کے جسم پر تارکول کی تہہ چڑھادی جائے گی اور جس کو جہنم کی آگ سے گرمایا جائے گا۔''

یہ ماتم کرنا اتنا بڑا گناہ ہے جس پر اتنی سخت قسم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اظہار افسوس کا شرعی طریقہ

البتہ شریعت میں کسی عزیز کے مرنے پر تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دنوں میں اظہار تعزیت اور اظہار افسوس کیا جائے اور ایسے کام نہ کیے جائیں جن سے خوشی کا اظہار ہوتا ہو۔ اعلیٰ درجے کے کپڑے نہ پہنیں جائیں اور کسی کی وفات پر ان تین دنوں کے اندر بھی چیخنا چلانا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے چیخنے چلانے سے منع فرمایا ہے اور صبر پر اجر وثواب کی بشارتیں سنائی ہیں جبکہ شریعت نے ماتم کی ایک گھنٹے بلکہ ایک منٹ اور ایک لمحہ بھی اجازت نہیں دی ہے۔ ماتم کیا ہے؟ چیخنا، چلانا، واویلا کرنا، سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا، گریبانوں کو چاک کرنا اس کی شرعاً بالکل اجازت نہیں ہے۔ حرام ہے، اب دیکھئے عاشورہ کے دن روزہ کتنے لوگ رکھتے ہیں اور ماتم کتنے لوگ کرتے ہیں۔ إنا لله وإنا اليه راجعون۔

محرم الحرام اور ہماری ذمہ داری

یہاں یہ بات بھی یاد رکھئے کہ ہم اپنے اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ ایک فرقہ یہ کام کرتا ہے اور وہ بقول اپنے مذہبی پیشواؤں اور مذہبی رہنماؤں کے یہ کام کرتے ہیں۔ ہمارا کام ان کو بتا دینا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی بتایا ہے، ہمارے ہاں کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وعظ وتقریر میں بھی بیان کردیتے ہیں۔ اب

ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم ان سے لڑیں جھگڑیں یا ان کے امام بارگاہوں کو آگ لگائیں اور فتنہ وفساد پھیلائیں۔ اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں ہے، اگر ہمارے ہاتھ میں حکومت ہوتی تو ہمارا فرض اور ذمہ داری بنتی تھی کہ ہم قانونی طور پر ان ناجائز کاموں کو بند کرواتے۔ ان کو بتایا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں ہے اور جن کے ہاتھ میں حکومت ہے ان کو ان ناجائز کاموں کی پرواہ اور فکر نہیں ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ان کو بتادیں، ماننا نہ ماننا یا عمل کرنا نہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ شیعوں کے جلسوں پر حملہ کرنا اور ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا سوائے فتنہ وفساد پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ شیعہ سنی فسادات کی یہی وجہ ہے، ان کو بھی چاہیے کہ ہمارے بزرگوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی نہ کریں۔ اگر جلوس نکالنے کو مذہبی کام سمجھتے ہیں تو نکالیں جلوس لیکن ان حضرات کی شان میں کسی قسم کی گستاخی نہ کریں، یہ برداشت نہیں کی جاسکتیں، ان کے جتنے بزرگ ہیں، ہم ان سب کی عزت کرتے ہیں، انہیں اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا سرتاج مانتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبت ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے اور جتنے بھی آئمہ کے یہ نام لیتے ہیں ہم ان سب کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان حضرات کی وہ تعلیمات نہیں ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں بلکہ ان کی تعلیمات قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو ان حضرات کو چاہیے کہ جیسے ہم ان کے مذہبی پیشواؤں کی عزت کرتے ہیں ایسے یہ بھی ہمارے بزرگوں کا احترام کریں اور ان کی شان میں گستاخیاں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

ماتمی جلوس میں شرکت کی ممانعت

دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ لوگ ایک ناجائز کام کرتے ہیں تو ہمارے سنی

مسلمان بھائیوں کو چاہیے کہ وہ ان کے جلوسوں میں شریک نہ ہوں۔ ایک کام جو کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے اور دین کے خلاف ہو رہا ہے اس میں شرکت نہ کریں کیونکہ اس سے ان کے ناجائز کام کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کی تعداد بھی زیادہ لگے گی۔ نیز یہ کہ اگر ہمارے سنی مسلمان بھائی اس میں نہیں جائیں گے تو وہ لوگ گالیاں کس کو دیں گے اور سب وشتم کس پر کریں گے؟ اس لیے ان کے جلوسوں اور تعزیوں میں شرکت کرنا درست نہیں ہے۔

یوم عاشورہ کی بدعات

پھر ہمارے ہاں بھی بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں، ہمارے بعض سنی بھائی تعزیئے نکالتے ہیں، پھر شاید یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جنازہ لے جارہے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ کہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدفون ہیں اور کہاں یہ لوگ تعزیئے بنارہے ہیں۔ پھر تعزیئوں سے جنہیں خود ہی بناتے ہیں منتیں مانتے ہیں۔ نذر و نیاز کرتے ہیں۔ صحت اور رزق کی فراوانی کا سوال کرتے ہیں اور پرچیاں ڈالی جاتی ہیں کہ مجھے اولاد چاہیے اور مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے......!

یہ سب لغویات اور خرافات ہیں اور خلاف شریعت کام ہیں، ہمارے ذمے ہے کہ ہم ان کو پیار سے سمجھا دیں کہ یہ کام درست نہیں ہے۔ ان تعزیئوں سے حاجتیں مانگنا مشرکانہ عمل ہے۔ (معاذ اللہ) یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مشرکین مکہ پہلے اپنے ہاتھوں بتوں کو تراشتے تھے۔ پھر انہی سے حاجتیں پوری کرواتے تھے، ہم سب کو ان خرافات سے بچنا چاہیے۔ یہ مبارک ایام ہیں اور عظمتوں والے دن ہیں۔ ان دنوں میں ہمیں گناہوں اور بدعات کے ارتکاب سے بچتے ہوئے نیک کام کرنے چاہئیں۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں

محرم کا دن بڑی عظمتوں والا دن ہے۔ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے آزادی ملی تھی۔ اس دن آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشکر کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ نواسۂ رسول، سرور دو عالم رحمۃ للعلمین ﷺ کے جگر گوشے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اس دن ہونا یہ بھی ان کے لیے ایک انعام ہے۔ یہ نحوست اور بے برکتی کا دن نہیں ہے اب ایک عقیدہ یہ نکل پڑا ہے کہ محرم کے مہینے میں شادیاں نہیں کرتے کہیں بے برکتی نہ ہو جائے......! امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے جس دن کو آنحضرت ﷺ نے بابرکت قرار دیا۔ امت اس کو بے برکتی اور نحوست والا دن قرار دے رہی ہے۔ (نعوذ باللہ)

یہود کی مخالفت کا حکم

عاشورہ کا روزہ یہودی رکھتے تھے، مسلمانوں کو بھی بطور شکرانے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس میں بھی رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے مذہبی شعار سے مشابہت نہ ہونے پائے۔ اس سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ ''مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کے مذہبی شعار اور مذہبی کاموں میں مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔'' اس کے ناجائز ہونے پر اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں۔

غور کیجیے! اسلام نے یہاں تک حکم دیا ہے کہ روزے جیسے عمل میں بھی یہود کی مشابہت سے منع کر دیا ہے لیکن ہماری شامتِ اعمال دیکھیے کہ ہم نے اپنا سن، اپنی تاریخ، اپنی سالِ نو کی خوشیاں تک بھلا دیں، اپنی جنتری، اپنا کیلنڈر سب کچھ دوسری قوموں کو دے دیا اور اب تو قومی زبان کا جنازہ بھی نکالا جارہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے "Saturday" جانتے ہیں ''ہفتہ'' نہیں جانتے "Friday" جانتے ہیں۔ ''جمعہ'' نہیں جانتے۔ "Ten" اور "Twenty" جانتے ہیں مگر ''دس اور ''بیس'' نہیں جانتے۔

ہمارے بالا طبقات غیروں کی غلامی کرتے ہوئے ہمارے اوپر یہ لعنت مسلط کر رہے ہیں۔

قومی تشخص کی حفاظت

دنیا کی جتنی ترقی یافتہ قومیں ہیں، ان سب کے حالات دیکھ لیجئے، ان سب نے جو ترقی کی ہے اور اب ترقی کے عروج پر پہنچ چکی ہیں، اپنی اپنی زبانوں کے بل بوتے پر کی ہے۔ جاپان لے لیجئے، جرمنی، فرانس اور چائنہ کو دیکھ لیجئے اور اب ''کوریا'' بھی ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل ہو رہا ہے۔ ان سب ممالک میں اپنی اپنی زبانیں رائج ہیں۔ یورپ کے علاقے دیکھ لیجئے ناروے میں اپنی زبان ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں اس کی اپنی زبان ہے، بلجیم میں اس کی زبان، سوائے ''انگلینڈ'' کے کہیں بھی انگریزی زبان نہ بولی جاتی ہے نہ سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے ترقی غیروں کی زبان سے نہیں کی...... لیکن ہم نے، سات سمندر پار رہتے ہوئے انگریزی زبان کو ایسا سینے سے لگایا کہ اپنی زبان ہی کو فراموش کر دیا۔ اب اس ملک میں اردو زبان کو بھی انگریزی رسم الخط میں لکھا جا رہا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری زبان اتنی ذلیل ترین زبان ہے کہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو بولا جائے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو لکھا جائے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو سمجھا جائے اور انگریزی زبان اس قابل ہے کہ اس کو سر آنکھوں پر بٹھایا جائے۔ اسے بولا جائے، سمجھا جائے اور اپنا معبود بنالیا جائے۔ اس احساس کمتری اور غلامی کے جذبات ہماری نسلوں میں پیدا کیے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح صورتحال کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، خود اعتمادی کے ساتھ اپنے دین اسلام پر فخر کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے

موضوع: اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

تاریخ: ۲۳ ربیع الثانی ۲۶ھ بروز بدھ

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت: بعد نماز عصر

ضبط وترتیب: محمد طلحہ اقبال

﴿اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے!﴾

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کر رہے ہیں۔ یہ عدی حاتم طائی کے صاحبزادے ہیں، حاتم طائی جن کی سخاوت بہت مشہور ہے، بچپن میں ہم نے ان کی بہت سی کہانیاں بھی پڑھی ہیں۔ ان کی ملاقات خود تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہوسکی مگر ان کے صاحبزادے عدی اور اسی طرح عدی کی بہن سفانہ بھی مشرف باسلام ہوئی ہیں یعنی صرف یہ دونوں بہن بھائی مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

میدان حساب اور انسان کے اعمال

حاتم طائی کے صاحبزادے عدی رضی اللہ عنہ روایت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿مامنكم من أحد الاسيكلمه ربه، ليس بينه و بينه ترجمان، وينظر ايمن منه فلايرى الاما قدم و ينظر أشأم منه فلايرى الاما قدم و ينظر بين يديه فلايرى الا النار

تلقاء وجهه، فاتقوا النار ولو بشق تمرة﴾ (الخ)

(ریاض/۴۰۸)

''تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے مستثنیٰ نہیں کہ اس سے اس کا رب ہم کلام ہوگا، (ہر انسان سے اللہ تعالیٰ بات کرے گا، کب؟ یومِ حساب میں! جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی اور اللہ اس سے بات کرے گا، سوال کرے گا۔) اللہ کے اور بندے کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔ (کوئی واسطہ نہیں ہوگا، براہِ راست اللہ رب العزت سے ہم کلامی ہوگی جب اللہ کے سامنے پیشی کیلئے لے جایا جارہا ہوگا تو اس وقت) وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو سوائے اپنے اعمال کے اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ بائیں طرف دیکھے گا تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ (دائیں طرف بھی اس کے اعمال ہوں گے، اور بائیں بھی اس کے اعمال ہوں گے) پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو وہ نہیں دیکھ سکے گا۔ اس آگ کے سوا جو اس کے سامنے ہوگی (جہنم کی آگ) پس تم اس آگ سے بچو۔ اگرچہ آدھی کھجور کے ذریعہ سے ہی کیوں نہ ہو۔''

تشریح: اس حدیث میں میدان حساب کی ہولناکی بیان کی جارہی ہے کہ وہاں کوئی چیز سوائے اعمال کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔ اچھے اعمال سے فائدہ پہنچے گا اور برے اعمال سے تکلیفیں اور عذاب پہنچے گا، تو آدمی کے ساتھ اس کے اعمال ہوں گے۔ دائیں اور بائیں اس کے اعمال ہی نظر آئیں گے۔

ایک سوال کا جواب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعمال کیسے نظر آئیں گے۔ دنیا کے اعمال آپ نے

کیے اور وہ ختم ہو گئے، آپ نے نماز پڑھی اور وہ ختم ہو گئی۔ یہ سب چیزیں تو ہمیں نظر نہیں آرہیں، کسی نے چوری کی تو وہ عمل ختم ہو گیا اب تو وہ چوری کرتا ہوا نظر نہیں آرہا، تو خوب سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ جتنے اعمال انسان دنیا میں کرتا ہے، آخرت میں ان کی ایک شکل ہوگی، ان کا ایک جسم ہوگا، ان کا وزن بھی ہوگا، لمبائی چوڑائی بھی ہوگی، چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے جس کی تفسیر احادیث میں آئی کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اور مال کو روک کر رکھے گا تو اس مال کو انتہائی زہریلا سانپ بنا دیا جائے گا۔ "سیطوقون مابخلوا به" اور جس مال کا انہوں نے بخل کیا تھا اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ "شجاع اقرع" گنجا سانپ گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ اسے ڈسے گا اور کہے گا انا کنزک، انا مالک میں تیرا خزانہ ہوں، میں تیرا مال ہوں جس کو تو نے بچا کر رکھا تھا، زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی، اسی طریقے سے تمام اعمال کی ایک شکل ہوگی۔ تو اس شخص کو اپنے دائیں بائیں اعمال ہی اعمال نظر آئیں گے، اچھے بھی نظر آئیں گے اور برے بھی نظر آئیں گے، ابھی حساب کتاب بھی تو ہونا ہے، پھر پتہ چلے گا کہ اچھے اعمال زیادہ ہیں یا برے اعمال زیادہ ہیں اور سامنے جہنم کی آگ نظر آرہی ہوگی، حساب کتاب ہونے والا ہوگا۔ (یہ صورتحال بیان کرنے کے بعد فرمایا) کہ دیکھو معاملہ خطرناک ہے کہ سامنے آگ ہوگی اور اعمال پر فیصلہ ہوگا، جنت والے اعمال پر جنت ملے گی اور آگ والے اعمال ہوں گے تو جہنم ملے گی۔

گناہوں کی آگ سے بچنے کا ذریعہ

پھر فرمایا کہ "فاتقوا النار ولو بشق تمرة" پس تم آگ سے بچو، یعنی ایسے اعمال سے بچو جو تمہیں آگ تک لے جانے والے ہیں، اگرچہ آدھی کھجور کے ذریعہ سے ہو، مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرو کیونکہ "ان الصدقة تطفیئ الخطیئة" کہ صدقہ انسان کے گناہوں کی آگ کو مٹا دیتا ہے، گناہوں کو ٹھنڈا کرتا ہے، گناہ تو آگ ہیں اور

صدقہ اس آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے تو صدقہ، خیرات کرو، یہ ذریعہ بنتا ہے جہنم کی آگ سے بچنے کا، تو آگ سے بچنے کا ایک طریقہ تو حضور اکرم ﷺ نے یہ بتلایا کہ تم صدقہ خیرات کرو۔

صدقہ کرنے کیلئے مال کی زیادتی کا انتظار مت کرو

اگر کوئی یہ سوچے کہ میرے پاس تو مال نہیں صدقہ خیرات کہاں سے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنا ہو سکے دے دو، اگر تمہارے پاس دینے کیلئے ایک کھجور ہے تو ایک کھجور ہی دے دو اور اگر ایک پوری کھجور بھی نہیں ہے تو آدھی دے دو، اللہ رب العزت کے ہاں صرف مقدار کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کن حالات میں اس نے اللہ تعالیٰ کیلئے قربانی دی ہے۔ ایک کروڑ روپے رکھنے والا آدمی ایک ایک ہزار روپے نکالے تو اس کا بھی بڑا ثواب ہے لیکن جس کے پاس صرف دس روپے ہیں اور وہ آٹھ آنے نکالے تو اس کا ثواب اور زیادہ ہے کیونکہ وہ تو بیچارہ مفلوک الحال ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے راستہ میں خرچ کر رہا ہے۔ اسی واسطے فرمایا کہ تم صدقہ خیرات کرو اور یہ مت دیکھو کم دے رہے ہیں یا زیادہ، جتنی بھی توفیق ہو جائے دے دو انتظار مت کرو۔ یہ بھی بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ بعض لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ میاں! ابھی جیب میں تو ایک روپیہ ہے ایک روپیہ کیا دیں گے۔ چلو کل پانچ روپے اکٹھے کسی کو دے دیں گے، یا جیب میں پانچ روپے ہیں تو اس انتظار میں ہیں کہ کل سو روپے اکٹھے دے دیں گے، نہیں! شیطان اسی طرح بھلا دیتا ہے، کل تو کوئی اور دھندا سامنے آجائے گا، اپنی کوئی اور ضرورت سامنے آجائے گی، کوئی اور بہانہ سامنے آجائے گا یا ذہن سے نکل جائے گا، بھول جائے گا، میاں! اس وقت جو کچھ توفیق ہو رہی ہے، دے ڈالو۔ شیطان اگر یہ کہے کہ اکٹھے پانچ روپے دینا ایک روپیہ غریب کو دے کر کیا کرو گے تو شیطان سے کہہ دو ٹھیک ہے! ابھی تو میں ایک روپیہ دے رہا ہوں کل کو پانچ روپے پھر

دے دوں گا۔ (شیطان کیلئے سب سے اچھا یہی جواب ہے)، خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات بھی بہت بڑی عبادت ہے۔

صدقہ، خیرات سے محرومی کی ایک اہم وجہ

بہت سے لوگ صدقہ خیرات کرنے سے اس وجہ سے محروم رہ جاتے ہیں، سوچتے ہیں کہ میاں معمولی سی چیز ہے کیا صدقہ کریں گے؟ کیا خیرات کریں گے؟ یہ کثرت سے ہوتا ہے مثلاً آپ ریل کے ذریعہ سفر کر رہے ہیں، کسی سٹیشن پر اترے ہیں یا بس کے ذریعہ سفر کر رہے ہیں اور راستے میں کسی منزل پر اترے ہیں، کسی ہوٹل میں کھانا کھایا ہے، آپ کے پاس کچھ بچ گیا ہے اور باہر راستے میں کوئی غریب بیٹھا ہے تو آپ اپنے بچے ہوئے کھانے کا صدقہ کر سکتے ہیں۔ ریل میں ایسے بھی لوگ مل جاتے ہیں اور اگر ریل میں نہ بھی ملیں تو سٹیشن پر تو ایسے آدمی مل ہی جاتے ہیں، اب اگر ایک روٹی بچی ہوئی ہے تو وہ دے دو، آدھی بچی ہوئی ہے تو وہ دے دو، پاؤ بچی ہے تو پاؤ دے دو، صدقہ خیرات کرنے میں زیادہ ہونے کا انتظار مت کرو۔ جتنے کی جس وقت توفیق ہو جائے اس کو غنیمت سمجھ کر دے دو، اصل میں جب جنت کمانے کا شوق ہوتا ہے، جہنم سے بچنے کی فکر ہوتی ہے تو پھر آدمی اس کے راستے نکالتا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کا سبق آموز واقعہ

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلیل القدر محدث بھی تھے اور بڑے اللہ والے بزرگ تھے، ہمارے دادا (مولانا یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگرد تھے اور ہمارے والد صاحب (مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے استاد تھے اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مادرزاد ولی اللہ ہیں۔ گویاں ماں کے پیٹ ہی سے اللہ کے ولی پیدا ہوئے تھے۔ خاندان کے سید تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے مگر شفقت بہت فرمایا کرتے تھے اور دونوں میں بے تکلفی بھی بہت تھی۔ ایک مرتبہ والد

صاحب سے فرمانے لگے کہ کھانا ساتھ کھالو، کھانا کھانے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب کھانا کھا کر فارغ ہوگئے اور دسترخوان سمیٹنے لگے تو والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت! دسترخوان میں سمیٹ لوں، تو فرمانے لگے کہ تمہیں دسترخوان سمیٹنا آتا ہے؟ فرمایا، جی ہاں! آتا ہے، باہر فلاں جگہ جا کر اسے الٹا دوں گا، فرمایا کہ نہیں! تمہیں دسترخوان الٹنا نہیں آتا، میں تو دسترخوان اس طرح الٹتا ہوں، تم دیکھ لو اور سمجھ لو۔ اس کے بعد انہوں نے دسترخوان پر سے ہڈیاں الگ کیں اور کہا محلے میں ایک کتا ہے، وہ کھانے کے بعد میرے انتظار میں رہتا ہے، یہ ہڈی میں اس کو ڈالوں گا اور بچے ہوئے چھیچھڑے سامنے منڈیر پر بیٹھی ہوئی بلی کو دیتا ہوں۔ روٹی کے جو ٹکڑے چھوٹے بچے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ میرے محلہ میں غریب لوگ رہتے ہیں، یہ ذرا ذرا سے بچے گلی کے اندر کھیلتے رہتے ہیں، ان بیچاروں کو روٹی مل جائے تو اتنے خوش ہوتے ہیں جیسے مالدار بچوں کو بسکٹ ملنے سے خوشی ہوتی ہے، تو یہ روٹی کے ٹکڑے ان بچوں کو دیتا ہوں وہ بڑے خوش ہوتے ہیں، بڑی دعائیں دیتے ہیں اور کچھ روٹی کے ٹکڑے تھے فرمایا! ان کو میں جا کر چھت پر ڈال دیتا ہوں۔ وہاں پرندے آتے ہیں۔ کوے، طوطے، چڑیاں آتی ہیں، وہ ان کو چگ لیتی ہیں اور باقی رہ گئے روٹی کے ذرات جو ایک دو چٹکی کے برابر ہوتے ہیں، ان کو لے کر فرمانے لگے کہ آؤ! ان کے بارے میں بتاتا ہوں کہ ان کو کہاں ڈالتا ہوں۔ باہر کہیں چیونٹیوں کا بھٹ (سوراخ) تھا، وہاں چیونٹیاں آرہی تھیں، وہ ذرات اس بھٹ کے اوپر ڈال دیئے اور فرمایا کہ یہاں ڈالتا ہوں، اب دیکھئے کہ اللہ کے رزق کو اس اللہ کے بندے نے اللہ کی مخلوق میں کہاں تک پہنچایا۔ یہ وہی بات ہے۔ ''اتقوا النار ولو بشق تمرة'' آگ سے بچنے کی کوشش میں لگ جاؤ، اگرچہ وہ کوشش آدھی کھجور کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہو۔ آج کل ایک روپے کے سکہ کی بھی کوئی قدر نہیں رہی لیکن اگر کوئی غریب نظر آرہا ہے اور موقع ہے تو انتظار مت کرو کہ کل دیں گے، یہ سکہ ہی دے دو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت اجر و ثواب ہے۔

صدقہ کی برکات

صدقہ کی بڑی برکات ہیں، ایک برکت تو یہ ہے ''تطفئ الخطيئة'' کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، دوسرے اس سے بلائیں ٹلتی ہیں، دنیا کی بھی بلائیں ٹل جاتی ہیں، بسا اوقات کوئی بلا اور مصیبت آنے والی ہوتی ہے، آدمی صدقہ کرتا ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس بلا سے بچا لیتے ہیں۔

اللہ کے دربار میں حاضری کا موقع

عن ابی برزة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تزول قدما عبدحتی یسئل عن عمره فیم افناه، وعن علمه فیما فعل فیه، وعن ماله من این اکتسبه وفیم انفق، وعن جسمه فیم ابلاه......الخ

(ریاض/ ۴۱۰)

ترجمہ: ''حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ روایت کررہے ہیں کہ آدمی کے قدم اللہ کے سامنے پیشی سے اس وقت تک نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے۔ ایک یہ کہ عمر کس کام میں گزاری، دوسرا یہ کہ علم (دین و دنیا کا جو ہم نے تمہیں دیا تھا اس) پر کیا عمل کیا، تیسرا یہ کہ مال کہاں سے کمایا تھا، چوتھا یہ کہ یہ مال (جب تمہیں مل گیا تھا تو) خرچ کہاں کیا، پانچواں یہ کہ جسم کی (جو نعمتیں ہم نے دی تھیں ان) نعمتوں کو کہاں خرچ کیا۔''

تشریح: اس حدیث میں میدان حساب میں ہونے والے سوالات کا تذکرہ ہے۔ آدمی کے قدم اللہ رب العزت کے سامنے پیشی سے نہیں ہٹیں گے، جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس وقت اعمال کا حساب کتاب ہوگا، پرسش اور پوچھ گچھ ہوگی اعمال کی تو وہاں

سے آدمی کے قدم نہیں ہٹیں گے، جب تک پانچ سوال نہ کرلیے جائیں۔

پہلا سوال

یہ کہ اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ عمر کس کام میں گزاری، کس کام میں خرچ کی، ساری عیش وعشرت ہی میں گزار دی، غفلت ہی میں گزار دی یا اللہ تعالیٰ کیلئے بھی کوئی کام کیا تھا اور آخرت کیلئے بھی کوئی تیاری کی تھی یا نہیں، کسی کو چالیس سال عمر ملی، کسی کو پچاس، کسی کو ساٹھ، کسی کو پچپن وغیرہ۔ عمر پوچھی جائے گی کہ تمہاری کتنی عمر ہوئی اور اس کو کس کام میں خرچ کیا، اب بتانا پڑے گا، جھوٹ نہیں بول سکے گا، جھوٹ بولے گا تو اعمال اس کے سامنے کرکے دکھا دیئے جائیں گے کہ یہ ہیں تمہارے اعمال، سارے اعمال دائیں، بائیں اور سامنے ہوں گے، ابھی آپ نے پڑھا کہ وہ اعمال سامنے ہوں گے اور دکھا دیئے جائیں گے لہٰذا جھوٹ نہیں بول سکے گا کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا تھا، فلاں گناہ نہیں کیا تھا، سب کچھ دکھا دیا جائے گا کہ کن چیزوں میں تم نے عمر گزاری تھی۔

دوسرا سوال

وعن علمہ فیما فعل فیہ اس کے علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ جو کچھ علم ہم نے تم کو دیا تھا دین کا یا دنیا کا اس علم کے مطابق تم نے عمل کیا کیا؟ جنت والے اعمال کیے یا جہنم والے اعمال کیے؟

تیسرا سوال

وعن مالہ من این اکتسب تیسرا سوال یہ ہوگا کہ مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ مال تو تمہارے پاس بہت تھا مگر یہ بتاؤ کہ کہاں سے لائے تھے؟ کہاں سے کمایا تھا؟ رشوت کا تو نہیں تھا، مال حرام تو نہیں تھا، ناپ تول میں کمی کرکے یہ کام

چوری کر کے کمایا ہوا مال تو نہیں تھا؟ یہ سب بتانا پڑے گا، سارے مال کا حساب دینا پڑے گا کہ کہاں کہاں سے کمایا تھا؟ میزان یہ ہے بتاؤ کہاں کہاں سے لائے تھے؟

چوتھا سوال

وفیم انفق. (چوتھا سوال یہ ہوگا کہ) پھر جب یہ مال تمہیں مل گیا تھا تو خرچ کہاں کہاں کیا؟ جائز کاموں میں کیا یا ناجائز کاموں میں؟ اپنے بیوی بچوں پر اگر خرچ کیا تو ٹھیک کیا۔ اپنے اوپر اگر راحت و آرام کیلئے خرچ کیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ رشتہ داروں کو دیا تو بڑا اچھا کیا، پڑوسیوں کو دیا، دین کے کاموں میں خرچ کیا، مسجد میں لگایا، کسی کا کہیں کنواں بنوا دیا، رفاہی کاموں میں لگا دیا۔ بڑا اچھا کام کیا۔ کہیں حرام کاموں میں تو خرچ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں تو خرچ نہیں کیا؟ غرض یہ کہ سارا حساب کتاب دینا پڑے گا۔ سالانہ حساب کتاب جب تاجروں کا انکم ٹیکس کے موقع پر ہوتا ہے تو سب کو ایک دو مہینے پہلے سے بخار چڑھ جاتا ہے کہ بتانا پڑے گا کہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں گیا؟ بچت کیا ہوئی، وہاں دو دو تین تین حساب کتاب چل جاتے ہیں۔ وہاں دو رجسٹر ہوتے ہیں، ایک اصلی ہوتا ہے، ایک نقلی ہوتا ہے، انکم ٹیکس والوں کو دکھانے کے لئے، دونوں میں کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ یہاں (اصل میں) آمدنی ایک کروڑ لکھی ہے، وہاں (نقل میں) آمدنی کے بجائے ایک لاکھ روپے خسارہ لکھا ہوا ہے، وہاں تو یہ کام چل جاتا ہے، انکم ٹیکس والا اگر غلطی کو پکڑ لے تو اس کو رشوت دے کر کام چلاتے ہیں، وہاں تو نہ رشوت چلے گی، نہ دوہرے رجسٹر کام آئیں گے۔ وہاں تو سب کچھ سامنے ہوگا، کوئی جھوٹ نہیں بول سکے گا، چھپا نہیں سکے گا، سارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا، عمر بھر میں جو کچھ کمایا سب کا حساب ہوگا۔

پانچواں سوال

وعن جسمه فیم ابلاه. (پانچواں سوال جسم کے بارے میں ہوگا کہ) جسم

کی جو نعمتیں ہم نے تمہیں دے رکھی تھیں مثلاً آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پیٹھ، گلا، پاؤں، ٹانگیں یہ سب کچھ دے رکھا تھا، ان سارے اعضاء کو تم نے کس چیز میں خرچ کیا۔ یہ زبان تمہیں دی تھی ستر سال تک تم نے اس سے کام لیا۔ کیسی عجیب وغریب چیز ہے، یہ زبان اور کیسا عجیب آلہ ہے، اگر سٹیل کا ہوتا یا سٹیل سے طاقتور کسی دھات کا ہوتا تو گھس کر اب تک ختم ہو چکا ہوتا، مگر یہ چل رہا ہے اور آٹومیٹک چل رہا ہے، نہ اس کو چابی دینے کی ضرورت، نہ اس میں پٹرول ڈالنے کی ضرورت، نہ ہی کسی اور چیز کی ضرورت، دماغ میں خیال آیا اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اسی طرح یہ آنکھ ہے...... اللہ اکبر...... آنکھ ایک کارخانہ ہے اور بڑا عجیب وغریب اور حیرت ناک کارخانہ ہے، اس کے اندر بارہ کارخانے ہیں اور آج دنیا میں ہر کارخانے کا الگ سپیشلسٹ ڈاکٹر ہے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا، جب مجھے اپنی آنکھ کے آپریشن کرانے پڑے مختلف قسم کے کئی آپریشن ہوئے تو پتہ چلا کہ آنکھ کے اندر بارہ حصے ہوتے ہیں۔ ہر حصے کے الگ سپیشلسٹ ہیں۔ اس کے ایک حصے کا آپریشن کرنے والا ڈاکٹر دوسرے حصے کا آپریشن کرنا نہیں جانتا، اس آنکھ میں پورا ایک جہاں ہے، تو اس آنکھ کو کہاں خرچ کیا تھا، اس سے کیا کیا دیکھا تھا، جن چیزوں کے دیکھنے کی ہدایت کی تھی، وہ دیکھی تھیں یا نہیں اور جن چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا تھا، ان چیزوں سے اپنی آنکھ کو روکا یا نہیں؟ یہی سوال ہوگا زبان کے بارے میں، ٹانگوں کے بارے میں، دل کے بارے میں حتیٰ کہ پورے جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں خرچ کیا تھا؟

سوال: سوال یہ پیدا ہوا کہ اتنا لمبا چوڑا حساب ایک آدمی کی پوری زندگی کا، پوری عمر کا، اس کے پورے علم کا اور اس علم کے متعلق عمل کا اور مال کہاں کہاں سے کتنا کتنا کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔ اس کا اور تمام جسم کے اعضاء کا، تو اتنا لمبا چوڑا حساب کیسے ہوگا؟

جواب: قرآن حکیم نے جگہ جگہ کہا ہے ''ان اللہ سریع الحساب'' کہ اللہ تعالیٰ تو بہت تیز رفتاری سے حساب کرنے والا ہے، ایسی تیز رفتاری سے حساب ہونے کے باوجود کوئی

چیز حساب سے نہیں بچے گی۔ قرآن کریم نے فرمادیا ''فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ '' جس نے ایک ذرے کے برابر کوئی نیک کام کیا ہوگا وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرے کے برابر کوئی برا کام کیا ہوگا وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔

توبہ کا فائدہ

ہاں اگر گناہ سے توبہ کرلی تھی تو وہ نہیں دکھایا جائے گا۔ یہ بھی کرم ہے اللہ رب العٰلمین کا اور وہاں جو اعمال دکھائے جائیں گے ان میں یہ اعمال نہیں ہوں گے، جن گناہوں سے بندے نے توبہ کرلی وہ اعمال نہ آخرت میں دکھائے جائیں گے، نہ لکھے ہوئے پیش ہوں گے اور نہ ہی ان کا سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلامی انقلاب اور ہماری ذمّہ داری

موضوع: اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد جامعہ دار العلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا عبدالتواب

﴿اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ المجتبیٰ وعلیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ.

اما بعد!

تمہیدی گفتگو کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

یہ آپ سب کو معلوم ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر بہت کڑا وقت آیا ہوا ہے، مسلمان جگہ جگہ ظلم وستم کا شکار ہیں اور جتنے بھی مسلم حکمران ہیں وہ سب کے سب دباؤ میں ہیں اور اسی دباؤ کی وجہ سے بعض بدنصیب کبھی داڑھی کا مذاق اڑا رہے ہیں اور کبھی پردے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ

لیکن یاد رکھئے کہ یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو اخبارات، جرائد، ٹی وی، ریڈیو کے ذریعہ سامنے آرہا ہے۔ یہ اوپر کا رخ ہے لیکن ان حالات و واقعات کی تہہ کے نیچے کچھ اور ہو رہا ہے، جیسے سمندر کی لہروں کا ایک ظاہری انداز ہے لیکن ان لہروں کے نیچے کچھ اور طوفان برپا ہوتے ہیں جو سطح کے بالکل مخالف ہوتے ہیں بعض اوقات تو اوپر کا

پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے اور نیچے پانی گرمی سے ابل رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح حالات کی اوپر کی سطح میں مسلمان پسپا ہوا اور کمزور نظر آرہا ہے لیکن اندرونی سطح، اللہ کی قدرت کاملہ سے ایک اسلامی انقلاب آنے کی خبر دے رہی ہے۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ شروع ہو چکی ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ انقلاب کون لا رہا ہے؟ کیسے آرہا ہے؟ یہ سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں، یہ جنگی انقلاب نہیں بلکہ یہ ایک فکری، معاشرتی، اخلاقی انقلاب ہے، مقلب القلوب کا دلوں میں پیدا کردہ انقلاب ہے اور جہاں جہاں اسلامی جہاد ہو رہا ہے، وہ بھی اسی دینی انقلاب کا حصہ ہے۔

یہ خوشگوار تبدیلی پچھلے پندرہ بیس سال سے آئی ہے۔

پچھلے سال جون میں میرا اردن اور شام کا سفر ہوا، میرے ایک دوست جو دنیا میں بہت گھومے پھرے ہیں اور اچھے تجربہ کار ہیں، جب انہوں نے مجھ سے سنا کہ میں اردن اور شام جا رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ وہاں جا کر کیا کریں گے، وہاں تو بالکل مغربی تہذیب ہے۔ امریکی سیاست مسلط ہے، عورتوں میں پردہ نہیں، اسلامی معاشرہ دور دور تک نظر نہیں آتا، فحاشی و عریانی کا دور دورہ ہے اور بالکل یہی بات ہم مصر کے بارے میں بھی سنتے تھے۔

اسی سال ہمارا جاپان اور امریکہ کا بھی سفر ہوا، اُردن، شام اور ایران کے سفر بھی ہوئے۔ اور اب سعودی عرب اور مصر کا سفر ہوا، ان تمام سفروں میں سنی ہوئی باتوں کے برعکس صورتحال نظر آئی، اب تو وہاں ایک انقلاب سا آتا نظر آرہا ہے۔

جن مسلم ممالک کا اس سال سفر ہوا ان میں اول تو بازاروں میں عورتیں کم نظر آتی ہیں، اور جو نظر بھی آتی ہیں ان میں بھی پردے کا اہتمام ہے، جب کہ عرب ممالک کے بارے میں تو یہ بات مشہور تھی کہ وہاں خواتین پردے کا اہتمام نہیں کرتیں، لیکن یہ سب شہرت پرانی صورتحال کی بناء پر ہی ہے، ورنہ اردن میں، مصر میں، سعودی عرب میں،

شام میں اور ایران میں اب عورتیں پردے میں نظر آتی ہیں، مساجد آباد ہیں، جن میں امام بڑی حد تک تعلیم یافتہ قاری ہیں۔ تبلیغی کام بھی بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ یہ تبدیلی پندرہ بیس سال میں آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے پہچانا نہیں جاتا تھا کہ آپ اسلامی ملک میں آئے ہیں یا کسی مغربی ملک میں آگئے ہیں۔

علمِ دین کی پیاس

دین کی طلب کا یہ حال ہے کہ میں اردن اور شام سیاحت کے لئے گیا تھا لیکن احباب نے پکڑ لیا کہ آج فلاں جگہ بیان ہے اور کل فلاں جگہ اور باقاعدہ مجلسیں منعقد کی گئیں کہ پاکستان سے مفتی صاحب آئے ہوئے ہیں، اہم مسائل اُن سے پوچھیں گے۔

اُردن میں

ایک دن عمّان (اردن) میں باقاعدہ اعلان کر کے علمائے کرام کو جمع کیا گیا کہ اہم مسائل مفتی صاحب سے پوچھے جائیں گے، جمع ہونے والوں میں مرد بھی تھے خواتین بھی، مصنف بھی تھے، ادیب بھی، عالم بھی تھے، قاری بھی، اور بعض مفتی صاحبان بھی تھے۔ (الحمد للہ اردن میں یہ مشہور ہے کہ ہندو پاک کے علماء ٹھوس علم رکھنے والے صاحبِ کمال ہوتے ہیں،) میں نے ان کو مجلس کے آغاز ہی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا یہ ارشاد سنا دیا کہ:

> ''الحمد للہ میرے پاس ایک ایسا گُر ہے کہ میں ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔''

حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد سن کر سب علماء جو حاضر تھے حیران رہ گئے کہ یہ کیا فرما رہے ہیں، ایسا دعویٰ تو کسی نبی نے بھی نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ ''اخبرنی عن الساعۃ'' (قیامت کب آئے گی) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ ''ما المسؤل عنھا باعلم من السائل'' یعنی قیامت کے بارے میں

جواب دینے والا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اور حضرت تھانوی صاحب فرمار ہے ہیں کہ ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔

تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا وہ گر یہ ہے کہ جس سوال کا جواب معلوم ہوگا بتا دوں گا اور جس سوال کا جواب معلوم نہیں ہوگا تو کہہ دوں گا ''مجھے نہیں معلوم۔'' یہ بھی تو ایک جواب ہے۔ یاد رکھئے ''لا اَدری'' (مجھے نہیں معلوم) کہنے سے انسان کی عزت میں کمی نہیں آتی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''لقنو اصحابکم قول لا ادری'' یعنی تم اپنے شاگردوں کو یہ کہنا سکھاؤ کہ ''مجھے نہیں معلوم''۔

شام میں

تقریباً یہی حال شام میں تھا، وہاں تین دن قیام ہوا، وہاں کے علماء چاہتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے ساتھ گزاریں، عوام میں بھی جس سے بات چیت کی نوبت آئی یہی محسوس ہوا کہ دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ الفت ومحبت، انکساری اور خوش اخلاقی ان کا مزاج ہے، اگرچہ خواتین میں پردے کا خاص اہتمام نہیں اور مرد اکثر داڑھی نہیں رکھتے لیکن بات بات پر ذکر اللہ، دعائیں اور درود شریف کی کثرت ان کی عادت ہے۔ مسجدوں کی آبادی اور علماء کی عزت نظر آتی ہے، کچھ دینی مدارس بھی ہیں جو اچھا کام کر رہے ہیں، وہاں بھی پندرہ بیس سال پہلے ایسی بات نہیں تھی، وہاں تبلیغ کا کام بنسبت اردن کے بہت کم ہے۔

سعودی عرب میں

سعودی عرب کا حال آپ حضرات کو معلوم ہی ہے، وہاں تمام سرکاری تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم اچھے خاصے معیار کی ایک حد تک لازم ہے۔ سب سے زیادہ اسلامی قوانین (سو فیصد تو نہیں) نافذ ورائج ہیں، وہاں عدلیہ شریعت کی پابند ہے جس کی وجہ سے آج وہاں امن وامان کا دور دورہ ہے۔ مال وجان، عزت وآبرو، غیرت وناموس

محفوظ ہے۔

مصر میں

اسی طریقے سے مصر کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سن رکھی تھیں کہ وہاں کے لوگ متکبر اور اکھڑ مزاج ہوتے ہیں۔ علماء کے خلاف عوام میں جذبات پائے جاتے ہیں۔ داڑھی کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ فحاشی وعریانی ہے، وغیرہ وغیرہ لیکن ابھی حالیہ سفر میں ہم نے مصر کے دینی اداروں، مساجد، علمی حلقوں، بازاروں بعض تفریح گاہوں اور عجائب گھروں وغیرہ کا دورہ کیا تو پتہ چلا کہ جتنی باتیں سن رکھی تھیں وہ سب کی سب سراسر غلط ہیں۔ حقیقت میں وہ بڑے مہمان نواز اور صاحب مروت ہیں۔ مزاجوں میں شرافت وسادگی غالب ہے۔ قاہرہ کو بھی دیکھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ فحاشی اور عریانی کا مرکز ہے۔ وہاں جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ قاہرہ تو مسجدوں کا شہر ہے۔ نماز کے اوقات میں پورا شہر اذانوں سے گونج اٹھتا ہے اور ہر مسجد کے اندر خواتین کیلئے پردے کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام ہے۔ الحمد للہ میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں، ان کے ذریعہ خواتین کا حال بھی وقتاً فوقتاً معلوم ہوتا رہا۔

قاہرہ میں جمعہ کی نماز ''جامع عمرو بن العاص'' میں پڑھنے کی توفیق ہوئی۔ یہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم ہے۔ خطیب صاحب نے عربی میں سیرت طیبہ پر ایسا بلیغ اور ایمان افروز خطبہ دیا کہ دل باغ باغ ہو گیا۔

ہمارے ساتھ جو ڈرائیور تھا اس نے بتایا کہ میرے تین بیٹے حافظ قرآن ہیں حالانکہ اس کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی۔ ایک نوجوان جو بازار میں کھلونے بیچ رہا تھا وہ کہنے لگا کہ آپ نے یہاں اسلام کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا جیسا سنا تھا اس سے بہتر پایا تو وہ کہنے لگا کہ ہم اپنے اعمال میں اسلام کی کمی بہت محسوس کرتے ہیں، دعا کریں کہ ہم اچھے مسلمان بن جائیں، اور اسلام کا بول بالا ہو، اخلاق کا یہ عالم ہے کہ جس دوکاندار

یا ڈرائیور یا مزدور یا ہمسفر سے بات کرو تو اولاً تو آپ کے اور اس کے درمیان دیر تک دعاؤں کا تبادلہ ہوتا رہے گا، پھر دورانِ گفتگو وہ بات بات پر ایک دوسرے کو دعائیں دینے کے عادی ہیں، عموماً ان کی تقریباً ہر بات اللہ کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور اللہ ہی کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ مصر میں اکثریت نماز کی پابند ہے برخلاف پاکستان کے، کہ یہاں نمازوں کے اوقات میں اکثر حضرات بازاروں، ہوٹلوں، کیفوں وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

"جامع الازھر" جو "جامعۃ الازھر" کے زیر انتظام ایک جامع مسجد ہے، ہم نے مغرب کی نماز وہاں ادا کی، امام صاحب جید قاری تھے، مگر ملاقات ہوئی تو داڑھی صاف تھی، ہمارے ایک تبلیغی ساتھی نے جو سعودی عرب سے ہمارے ساتھ آئے تھے عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ یہاں داڑھی کم نظر آتی ہے، کیا حکومت کی طرف سے پابندی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں، لوگ خود ہی نہیں رکھتے ورنہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم سے انہوں نے ہدایت کی دعاؤں کی درخواست کی اور عرب روایات کے عین مطابق ہم نو واردوں کو مہمان نوازی سے نوازا۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ مصر میں خواتین کی بھاری اکثریت ہر جگہ بُرقع میں نظر آئی، اور جو بغیر بُرقع کے ہوتی تھیں تو ان کا بھی پورا بدن ڈھکا ہوتا تھا صرف چہرہ اس طرح کھلا ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کان، بال اور گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا، مجھے تو کم از کم کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر نہیں آئی، کچھ خواتین بے پردہ تھیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں کوئی مسلمان عورت بے پردہ نہیں ہوتی، جو بھی بے پردہ خواتین ہیں یا تو وہ عیسائی ہیں، یا یہودی، قاہرہ کے مشہور عالم دین ہمارے دوست جناب حسن الشافعی نے بھی یہ بات بتائی اور فرمایا کہ مسلمانوں میں یہ پردہ اور یہ تبدیلی بیس پچیس سال سے آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے یہاں تمام برائیاں عام تھیں، میں نے پوچھا یہ تبدیلی کیسے آئی، کہنے لگے یہ معلوم نہیں، بس اتنا صاف نظر آرہا ہے کہ تبدیلی آئی ہے۔ لوگوں کے دلوں پر

اسلام کا غلبہ اور دین کی طرف میلان ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلانی جماعت سے یہ تبدیلی آئی ہے......اور یہی کیفیت ایک اسلامی انقلاب آنے کی دلیل ہے۔

غیر مسلم ممالک میں

امریکہ میں اسلام اس قدر تیزی سے پھیل رہا ہے کہ امریکی صدر نے بھی تسلیم کرلیا کہ امریکہ میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ تقریباً ۴۰ سال پہلے امریکہ، جاپان، چین اور یورپ وجنوبی افریقہ وغیرہ میں کوئی عورت برقع میں نظر نہیں آسکتی تھی۔ لیکن اب الحمد للہ ہم وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ برقع عزت وشرافت کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

اس انقلاب کو رہنمائی اور قیادت کی ضرورت ہے

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ انقلاب جو آرہا ہے اس کی رہنمائی کون کرے گا؟ اس رہنمائی کے لئے آپ طلبہ کو تیار ہونا ہے، غیر مسلم ممالک میں اس دینی انقلاب کی رہنمائی کے لیے باعمل اور باکردار علمائے دین کی شدید ضرورت ہے۔ اگر کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہوا تو یہ انقلاب نہیں بلکہ فساد فی الارض ہوگا۔ ضرورت اس وقت اس انقلاب کو سنبھالنے کی ہے، منظم کرنے کی ہے، رہنمائی کرنے کی ہے اور صحیح قیادت کی ضرورت ہے تاکہ یہ انقلاب خیر کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے، ظلم کا خاتمہ کرکے عدل و انصاف قائم کرے۔

رہنما بننے کے لیے رہنمائی اور تربیت لینے کی ضرورت ہے

یاد رکھئے کوئی عالمگیر اسلامی تحریک محض کسی ایک فرد کا کارنامہ نہیں ہوا کرتی، قائد محرک ورہنما ضرور ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ باصلاحیت مخلصین کی ایک بڑی تعداد

ہوتی ہے جن کی وہ رہنمائی کرتا ہے اور ان کو منظم کرتا ہے۔ عالم اسلام کو اس وقت صحیح قیادت کی بھی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ باصلاحیت اور باکردار مخلصین کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ اب صلاحیت پیدا کیے بغیر ہر ایک امام بننا چاہتا ہے، مقتدی بننے کے لیے کوئی تیار نہیں، جس سے قیادت تو کیا سامنے آتی، نزاعات اور فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے قیادت کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مقتدی بننے کی ضرورت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ **لن یصلح آخر ھذہ الامۃ إلا ماصلح به اولھا.** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سب سے پہلے صبر و تقویٰ اختیار کیا اور ۱۳ سال تک تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ مشکلات سہنے کی طاقت تیار کی۔ عدل و انصاف اور عبدیت اپنے اندر پیدا کی۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت دلوں میں بٹھائی، جب اس تیاری کے بعد تلوار اٹھائی تو دنیا میں ان کا مقابلہ کوئی نہ کرسکا کیوں؟ اس لیے کہ یہ تلوار معاشرہ کے بہترین افراد کے ہاتھوں میں تھی، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان احد میں اعلان فرمایا تھا کہ میری تلوار اس شخص کو ملے گی جو اس کا وعدہ کرے کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا۔ آخر میں تلوار ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو ملی کہ اس سے عورتیں، بچے، بوڑھے، ضعیف اور بے گناہ لوگ محفوظ رہیں۔

عزیز طلبہ! ان مذکورہ صفات سے متصف ہوکر اپنے آپ کو اس آنے والے انقلاب کے لیے علمی اور اخلاقی طور پر تیار کرو اور باہمی اتحاد و اتفاق کی عادت ڈالو۔

انکساری، حسن اخلاق اور نرم مزاجی اختیار کرو

حضرت والد صاحب (حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا، اتحاد تو تواضع کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے، قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ں تواضع اور نرمی کو بیان کیا گیا ہے اور اعلان کر

دیا گیا: وما ارسلناک الا رحمة اللعالمین. یعنی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے اور قرآنِ حکیم ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ: ''لَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِک '' یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج سخت ہوتا تو لوگ آپ سے بیزار ہو کر منتشر ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق اور نرمی ورأفت سکھلائی اور فرمایا کہ (بعثت لأتمم مکارم الأخلاق) ''یعنی میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی تکمیل کر دوں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی کو عملاً کر کے دکھایا اور قولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ: یسّرا ولا تعسّرا بشّرا ولا تنفرا یعنی تم لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا مشکل برتاؤ نہ کرنا، ان میں شوق پیدا کرنا انہیں بیزار نہ کرنا۔

ان صفات کے بغیر آپ امت میں اتحاد اور یکجہتی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنے اندر حصول علم اور اس میں رسوخ کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی پیدا کرو، خود کو مقتدی (فرمانبردار) بناؤ۔ پھر امت خود ہی تم میں سے باصلاحیت قیادت کا انتخاب کر لے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

طلباء کو اہم نصیحتیں

موضوع: طلباء کو اہم نصیحتیں

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دار العلوم کراچی

موقعہ: افتتاح درسِ بخاری

ضبط و ترتیب: مولانا طلحہ اقبال صاحب

طلباء کو اہم نصیحتیں

الحمد للّٰہ و کفی و الصلوٰۃ و السلام علی نبیہ المجتبیٰ
و علی عبادہ الذین الصطفی. اما بعد!

حاضرین و سامعین گرامی قدر! ہمارے لیے یہ بڑی سعادت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مرتبہ پھر افتتاح بخاری سے نیا تعلیمی سال شروع کرنے کا موقع عطا فرمایا کیونکہ آج کی یہ مجلس افتتاح بخاری کی بھی ہے اور نئے تعلیمی سال کے آغاز کی بھی اور اس افتتاح کے لیے بدھ کا دن اس لیے منتخب کیا گیا ہے کہ صاحبِ ہدایہ (رحمۃ اللہ علیہ) ایک حدیث روایت کرتے تھے کہ:

﴿قال رسول اللہ ﷺ مَامِن شَیٌٔ بُدِیٔ فِیْ یومِ الْاَرْبَعَاء اِلَّا وَقَدْتَمَّ﴾ (تعلیم المتعلم ص ۴۳)

ترجمہ ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کام بھی بدھ کے دن شروع کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور اس میں خیر و برکت عطا فرماتے ہیں۔''

جو اسمائے گرامی اس حدیث مبارکہ کی سند میں پڑھے گئے ہیں، ان سے ایک ایک شخصیت علم و عمل کا ایسا پہاڑ ہے کہ ان جیسی علمی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں اور ایسے اونچے درجے کے اولیاء اللہ ہیں کہ ان کے ناموں میں بھی برکت ہے۔ ہمیں بہت امید

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ تمام برکتیں عطا فرمائیں گے۔

صاحب کتاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب کا آغاز اس حدیث مبارکہ سے کیا ہے:

﴿إنّما الاعمال بالنيّات وإنّما لامرئ مانوى﴾ (الخ)

ترجمہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی۔'' (الخ)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کا عنوان تو قائم کیا:

﴿كيف كَانَ بدءُ الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم﴾

یعنی اس باب میں اس بات کا بیان ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آنے کا طریقہ کیا ہے؟ لیکن اس کے ذیل میں حدیث لائے۔

﴿إنّما الا اعمال بالنيّات﴾

''یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''

ظاہر نظر میں اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ بہت کوشش کر کے کوئی نکالنا چاہے تو ممکن ہے نکال لے لیکن بظاہر اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں جگہ جگہ ایسا کرتے ہیں اور عام طور پر یہ کام اپنے شاگردوں کو توجہ دلانے اور چونکانے کیلئے کرتے ہیں تو یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا ہے کہ باب:

﴿كيف كان بدءالوحي﴾

قائم کیا، لیکن حدیث لائے۔

﴿إنّما الاعمال بالنيّات﴾

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ''آگے بڑھنے سے پہلے اپنے دل کا جائزہ لے لو، اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لو، اپنی نیت

ٹھیک کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اس لیے پہلے قدم پر اپنی نیت ٹھیک کرلو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے آج کا سب سے پہلا درس جو طلبہ دورہ حدیث، دیگر تمام درجات کے طلبہ، اساتذہ اور خدام دارالعلوم کے لیے ہے وہ یہ ہے کہ آج تعلیمی سال کا آغاز ہورہا ہے اور ایسا مقدس عمل شروع ہورہا ہے جو اس امت کے اجتماعی کاموں اور نفلی عبادتوں میں بالاتفاق سب سے افضل عمل ہے اس کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیتوں کا جائزہ لے کر انہیں ٹھیک کرلو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ:

﴿تدارس العلم ساعة من الليل خير من احياء ها﴾ (مشکوٰۃ)

''رات کی کسی ایک گھڑی میں تعلیم و تعلم کا مشغلہ اختیار کرنا اس پوری رات کو عبادت میں گزارنے سے افضل و بہتر ہے۔''

لہٰذا اس مقدس عمل کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت کو درست کرلو کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

چونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اس لیے اگر نیت خراب ہے تو بعض اعمال تو صحیح نیت کے بغیر ادا ہی نہیں ہوتے مثلاً نماز ادا نہیں ہوتی، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی نیت پر موقوف ہے اور بعض اعمال ادا تو ہو جاتے ہیں جیسے وضو لیکن ان اعمال کا ثواب نیت کے بغیر نہیں ملتا تو بہت سے اعمال کا وجود اور بہت سے اعمال کا ثواب بغیر نیت صحیحہ کے حاصل نہیں ہوتا۔

نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اصل نیت دل کی ہوتی ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنا ضروری ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اگر زبان سے نیت نہ بھی کی مگر دل سے نیت کرلی تو کافی ہے۔ اس کے برعکس اگر زبان سے تو نیت کرلی مگر دل سے نہیں کی تو نیت شمار نہ ہوگی۔

کس چیز کی نیت کی جائے؟

نیت سب سے پہلے اس بات کی کرنی چاہیے کہ ہم جو کچھ پڑھیں گے یا پڑھائیں گے، چاہے تفسیر قرآن کریم ہو، چاہے احادیث ہوں، چاہے فقہ ہو یا کوئی اور فن؟ ان میں سے جن جن چیزوں کا تعلق ہمارے عقیدے سے ہوگا اس کے ذریعہ ہم اپنا عقیدہ ٹھیک کریں گے اور جن کا تعلق ہمارے عمل کے ساتھ ہوگا ہم ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

خوب سوچ لیجئے! ہم جو کچھ پڑھتے یا پڑھاتے ہیں، سب سے پہلے یہ ہمارے اپنے لیے ہے، یہ پڑھنا پڑھانا دوسروں کے لیے ہی ہے لیکن وہ ثانوی درجہ ہے لہٰذا سب سے پہلے خود عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔

کوئی بات یاد رکھنے کا سب سے بڑا اور بہترین طریقہ اس پر عمل کرنا ہے۔ رٹنے سے بھی کوئی چیز اتنی یاد نہ ہوگی جتنی عمل سے یاد ہوگی لہٰذا اگر آج سے ہم اس حدیث پر عمل شروع کر دیں گے تو ہمیں یہ حدیث بھی یاد رہے گی۔

ہمیں دوسری نیت یہ کرنی ہے کہ ہم سنت کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے یہ علم حاصل کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا دونوں جہانوں کی کامیابی ہمیں مل سکے۔

اس نیت کو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لیجئے اور دل کی گہرائیوں میں اتار لیجئے۔ طلبہ، اساتذہ اور خدام سب کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ایک اہم نکتہ

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک احسان عظیم یہ بھی ہے کہ انسان جب کوئی کام، نیک نیت سے شروع کر دے اور بعد میں کام کرتے ہوئے اس نیت کی طرف خیال نہ جائے

اور اس کے مخالف بھی کوئی نیت نہ کرے تو اس نیت کا ثواب اور حکم باقی رہے گا کیونکہ اس نیت کو ہر وقت متحضر رکھنا ضروری نہیں ہے۔

نیت فاسدہ کا نیت صحیحہ کے معارض آنا

اب مخالف نیت کیا ہو سکتی ہے؟ مثلاً یہ نیت کرنا کہ ہم عالم بنیں گے، شہرت ہو جائے گی یا کوئی بڑا عہدہ مل جائے گا، کوئی بڑی ملازمت مل جائے گی یا علامہ کہلائیں گے اور اس زمانے میں فلاں فلاں لقب مل جائے گا۔ یہ تمام نیات فاسدہ ہیں۔ جب ان میں سے کوئی نیت پائی گئی تو اس صورت میں پہلی نیت معدوم ہو جائے گی اور وہ عمل عبادت نہیں رہے گا بلکہ معصیت بن جائے گا۔ (اللهم احفظنا منه) ہمیں ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں درست نیتیں کرنے اور ان پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اتنی بات تو حدیث کے متعلق عرض کر دی، باقی تفصیلات انشاء اللہ درسگاہ میں آئیں گی، اب کچھ باتیں اپنے طالب علم ساتھیوں سے کرنا چاہتا ہوں۔

دین کی بقاء اسی سے ہے!

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمیں افضل ترین عمل میں لگنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جس کی افضلیت میں فقہاء کرام اور محدثین عظام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر بھی ہے کیونکہ دین کا بقاء اسی سے ہے۔

وہ دین مٹ جایا کرتا ہے جس کا علم باقی نہ رہے۔ عیسائیت کا دین مٹ گیا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے کیونکہ اس کا علم باقی نہ رہا۔ رب العٰلمین نے اس دینِ اسلام کی بقاء کی ضمانت دی ہے۔ وہ لوگ خوش قسمت ہوں گے جو اس کے برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں گے اور بقائے دین کی سب سے پہلی کڑی ''تعلیم'' دین ہے۔

تعلیم دین کا فریضہ عمومی اعتبار سے سب سے افضل فریضہ ہے۔ اگر چہ جہاد اور

تبلیغ کے بھی بہت زیادہ فضائل ہیں لیکن خوب یاد رکھئے! کہ عمومی لحاظ سے تعلیمِ دین کا فریضہ ان دونوں سے افضل ہے اگرچہ بعض خصوصی حالات میں ان کی فضیلت علم دین سے بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ایک غزوہ کے موقع پر ایک شخص مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عمل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جہاد ہو رہا ہے اس میں شریک ہو جاؤ" عرض کیا: اگر میں اس میں مارا جاؤں تو میرا کیا ہوگا؟ فرمایا "جنت میں جاؤ گے۔"

یہ فرمان سن کر وہ صحابی (رضی اللہ عنہ) جہاد میں شریک ہو گئے۔ لڑے اور خوب بہادری سے لڑے حتیٰ کہ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

سیدھے جنت میں گئے، اس وقت انہیں حدیث پڑھنے، علم دین حاصل کرنے یا نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ نماز کا وقت نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ خصوصی حالت تھی لیکن عمومی حالات میں سب سے افضل مشغلہ تعلیم دین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دین کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شکر کی حقیقت

شکر کی حقیقت میں یہ بات بنیادی طور پر داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ہم ان نعمتوں کو اس ذاتِ اقدس کی نافرمانی کے کاموں میں استعمال نہ کریں اب جبکہ اللہ رب العلمین نے ہمیں اپنے کرم سے تعلیم دین کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کے حصول میں ہمہ تن گوش ہو کر لگے رہیں اور اپنے اوقات کو معصیت اور گناہ کے کاموں سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔

ہمارے اکابر کی قربانیاں

دیکھئے! آج حدیث مبارک کی سند میں جن بزرگوں کے اسمائے گرامی پڑھے

گئے ہیں، ان کے حالات اٹھا کر پڑھیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دیکھیے، کیسی کیسی مشقتیں، مصیبتیں اور کیسی کیسی، جفا کشیاں اس علم دین کے حاصل کرنے میں برداشت کی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے ایک بڑے حصے میں سالن استعمال نہیں کیا، ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ اطباء نے ان کا پیشاب دیکھ کر کہا کہ: یہ پیشاب کسی عیسائی راہب کا لگتا ہے جو سالن استعمال نہیں کرتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''میں نے چالیس سال سے سالن نہیں کھایا۔'' اطباء نے ان کا علاج سالن تجویز کیا لیکن انہوں نے سالن کھانے سے انکار فرما دیا اور جب علماء و مشائخ نے بہت اصرار کیا تو اس پر راضی ہوئے کہ روٹی کے ساتھ شکر استعمال کرلوں گا۔[1]

زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک سبق میں آنا چھوڑ دیا، ان کے ہم درس ساتھیوں کو تشویش لاحق ہوئی کہ وہ تو تاخیر سے کبھی نہیں آئے، آج غیر حاضر کیسے ہو گئے؟ جب اگلے دن بھی امام رحمۃ اللہ علیہ سبق میں حاضر نہ ہوئے تو ان کے ساتھی خیریت معلوم کرنے کے لیے ان کے حجرے کے پاس گئے۔ دروازہ کھٹکایا، مگر کوئی جواب نہ آیا، بالآخر بلند آواز سے کہا: ''بخاری! اگر تم زندہ ہو تو جواب دو، ورنہ ہم تمہارا دروازہ توڑ کر تمہاری حالت دریافت کریں گے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اندر سے جواب دیا: ''الحمد للہ میں خیریت سے ہوں، درس میں اس لیے حاضر نہ ہو سکا کہ میرے پاس ایک ہی جوڑا تھا، اس کو زیب تن کیا کرتا تھا اور پھٹنے پر پیوند لگا لیا کرتا تھا مگر اب وہ اتنا خستہ ہو گیا ہے کہ پیوند کے قابل نہیں رہا۔''

ایسے ہی حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا مطالعہ کیجیے، کتنے بڑے امام اور جلیل القدر محدث ہیں، ان کا شمار مذہب شوافع میں اصحاب الترجیح میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اولیاء کرام میں بھی بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا مگر عمر صرف پینتالیس

---

[1] هدی الساری (ص ۴۸۱) و تہذیب الاسماء (ج ۱)

سال تھی۔ شادی بھی نہیں کی۔ ساری زندگی دو سالن ایک ساتھ نہیں کھائے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ آرام کرتے تھے اور باقی سارا وقت عبادت میں، ذِکرِ الٰہی میں اور علم دین کے مشغلہ میں گزارتے تھے۔

اتنے بڑے بڑے کام صرف پینتالیس سال کی عمر میں سرانجام دیئے اور وہ بھی مصائب و آلام کی وادی سے گزر کر، اور فاقوں کو برداشت کر کے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان مشقتوں میں نہیں ڈالا اور ان قربانیوں کا ہم سے مطالبہ نہیں کیا۔ ہمارے لیے سہولتوں کا اتنا سامان مہیا کر رکھا ہے کہ اگر ہمارے دور کا اس دور سے موازنہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ہمیں شہزادہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ہر چیز مہیا کر رکھی ہے۔ اس دور میں احادیث کا پڑھنا کتنا آسان ہوگیا ہے جبکہ اس زمانے میں حدیث کا پڑھنا انتہائی مشکل تھا۔ تمام احادیث ایک جگہ رہتے ہوئے نہیں پڑھی جاسکتی تھیں۔ کچھ حدیثیں بصرہ سے ملیں، کچھ شام سے ملیں۔ کچھ عراق سے ملیں، کچھ احادیث کیلئے حجاز کا سفر کرنا پڑا اور وہ بھی بے سروسامانی کے عالم میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مجاہدے ہم سے نہیں مانگے اور ہمارے لیے اتنے آسان انتظامات فرما دیئے ہیں۔ رہائش کے، رہن سہن کے، کھانے پینے کے، طلبہ یہیں موجود ہیں، اساتذہ کرام یہیں موجود ہیں، ہر نعمت موجود ہے لہٰذا ہم پر اس محسن ذات کا شکر لازم ہے۔

شکر کا بنیادی درجہ یہ ہے کہ اپنے اوقات کو اس کی نافرمانی سے بچایا جائے۔ تقویٰ اختیار کیا جائے اور وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ یہ وقت آپ کے پاس امانت ہے۔ قوم نے آپ پر خرچ کرنے کیلئے دارالعلوم کو پیسہ دیا ہے۔ اپنی دن رات کی کمائی اور گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ کی ہے تاکہ آپ اپنے اوقات کو صرف حصول علم میں لگائیں اور اس دین کی تبلیغ کو آگے پھیلائیں۔ یاد رکھئے! کوئی تبلیغ اس وقت تک کارآمد ثابت نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کو عمل کے زیور سے آراستہ نہ کیا جائے۔

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب جہاں والوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے اور اس نمونے کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے تیار ہوئے ہیں۔ جب ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اصحابِ صفہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے آئے ہیں تو ہمیں ایک ایک عمل اور ہر ہر ادا میں ان کی مثال کو اپنانا چاہیے اور عمل سے جو دین پھیلتا ہے وہ زبان سے نہیں پھیلتا۔ اس لیے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کیجئے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ جب آپ اپنے اوقات کار کو معصیت اور گناہوں سے بچائیں گے۔

قوانینِ دار العلوم پر عملدرآمد

اسی طریقے سے ہمیں قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہونے میں بھی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو اپنانا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں ہر کام ضابطے سے کیا جاتا ہے اور یہاں قانون سے کوئی شخص بالاتر نہیں ہے۔ ایک چپڑاسی سے لے کر صدر تک سب قوانین کے پابند ہیں اور اس سلسلے میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو وہ کوتاہی ہی شمار ہوتی ہے، رخصت شمار نہیں ہوتی اور ہر کام کے ذمہ دار اور امراء مقرر ہیں۔ آپ کو یہ مسئلہ معلوم ہوگا اگر نہیں معلوم تو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص کسی شعبے کا امیر یا ذمہ دار ہے تو اس کی اطاعت اس معاملے میں واجب ہے کیونکہ امیر کی اطاعت، معصیت کے علاوہ ہر چیز میں واجب ہے اور یہاں معصیت کا کوئی حکم دے گا نہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی دے بھی تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اس کی مخالفت واجب ہے۔

پابندیٔ نظم کا فائدہ

یہاں رہتے ہوئے آپ کو قوانین وضوابط کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنا ہے۔ یہ آپ کے لیے بیش بہا نعمت ہے۔ اس سے جہاں آپ کو اور بے شمار فوائد حاصل ہوں

گے وہاں یہ عظیم فائدہ بھی ہوگا کہ آپ کو اس بات کی تربیت ملے گی کہ "منظم زندگی" کیسے گزارنی ہے......؟

نظم وضبط کی پابندی اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ شریعت کا حکم ہے، اس کی مثال اطاعت امیر کا واجب ہونا ہے کیونکہ نظم وضبط برقرار رکھنے کیلئے اطاعت امیر انتہائی ضروری ہے۔

دارالعلوم کے قوانین جگہ جگہ لکھے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر، بینروں پر اور کاغذوں میں بھی لکھے ہوئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر عمل کی کوشش کریں تا کہ آپ کو دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سرفرازی حاصل ہو۔

چند توجہ طلب امور

نظم وضبط پر عمل کرنے سے ہر انسان کو راحت میسر آئے گی۔ اس لیے اجتماعی نوعیت کی جگہوں میں بالخصوص نظم وضبط کا خیال رکھنا چاہیے مثلاً مطبخ ہے مسجد ہے اور ایسے مقامات جہاں ایک وقت میں کئی افراد جمع ہو جاتے ہیں۔

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو اس کے قریب سنتیں پڑھنا کسی صورت میں بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے تو جماعت کے قریب سنتیں پڑھنے سے منع کیا ہے اور جن حضرات نے اس کی اجازت دی تو انہوں نے بھی شرائط وقیود لگائی ہیں کہ جماعت سے جتنی دور ہو کر سنتیں پڑھنا ممکن ہو اتنی دور پڑھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض طالب علم اس کی پابندی نہیں کرتے۔

اسی طرح جماعت کی صف بندی میں یہ ترتیب ہے کہ صف بیچ سے شروع کی جائے جبکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دائیں طرف سے طالب علم آتے ہیں تو دائیں طرف سے صف بننا شروع ہو جاتی ہے اور اگر بائیں طرف سے طالب علم آتے ہیں تو بائیں طرف سے صف بننا شروع ہو جاتی ہے۔ ان باتوں کو آپ زمانہ طالب علمی میں نہیں

سیکھیں گے تو بتائیں کب سیکھیں گے......؟

اسی طریقے سے مطبخ کا مسئلہ ہے، وہاں کھانے کے لیے لائن لگتی ہے اور باقاعدہ ایک استاذ کو نگران بنانا پڑتا ہے۔ یہ افسوسناک بات ہے، جن کی عمر مدرسوں میں گذری ہو، قال اللہ اور قال الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضا میں رہنے والے ہوں ان کو تو اتنا مہذب ہونا چاہیے تھا کہ کسی نگران کی ضرورت نہ پڑتی لیکن افسوس کہ اس پر پورا عمل نہیں ہو پاتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ ایسی ''ارضِ مباح'' جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہے، تو اس کا وہی حقدار ہوگا جو سب سے پہلے آئے گا، دوسرے شخص کو اسے ہٹانے کا حق نہیں ہے۔

مثلاً آپ مسجد میں نماز کے لیے آئے اور اگلی صف میں بیٹھ گئے، اب کسی کو یہ حق نہیں کہ آپ کو اٹھا کر خود بیٹھ جائے۔ اسی طریقے سے مطبخ میں لائن کو توڑنا اور ساتھی کو دھکا دے کر آگے نکلنا سراسر ناجائز اور ظلم ہے۔ یہ مدرسے کے قانون کے بھی خلاف ہے اور شریعت کی حدود کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے آپ پر لازم ہے کہ لائن میں اس طریقے سے کھڑے ہوں کہ کسی دوسرے ساتھی کو کوئی ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچنے پائے۔

ہم حکومتِ وقت سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ ملک میں اسلامی نظام اور اسلامی معاشرت نافذ کرے۔ یہ مطالبہ حق بجانب ہے، ان پر بھی لازم ہے کہ ہمارے اس مطالبے کو پورا کریں لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ ایک چھوٹی سی ریاست، ایک چھوٹا سا شہر اور ایک چھوٹی سی دنیا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم کی صورت میں عطا فرمائی ہے۔ ہم اس میں اسلامی قانون نافذ کریں تاکہ ہر آنے والا دیکھے اور مشاہدہ کرے کہ اسلامی نظام کیسا ہوتا ہے؟

آج جب ہم اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں کہ اسلامی نظام نافذ کرو، تو وہ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں کہیں اسلامی نظام کا کوئی نمونہ اور مثال ہے جو آپ ہمیں دکھا سکیں تو جواب یہی ہوتا ہے کہ نہیں! ہمیں چاہیے کہ ہم اس ادارے میں اسلامی

قوانین نافذ کریں اور اسلامی قوانین میں سے یہ بھی ہے کہ لائن نہ توڑی جائے بدنظمی نہ پھیلائی جائے، لوگوں کو تکلیف نہ دی جائے۔

آدابِ مصافحہ

اسی طرح میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مصافحہ بلاشبہ بہت اچھی سنت ہے لیکن ہر عبادت کے کچھ آداب، کچھ شرائط اور کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ مصافحہ کرنا مستحب ہے۔ سلام سے ابتداء کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن آج حال یہ ہے کہ سلام کو تو ضروری نہیں سمجھتے البتہ مصافحہ لازم سمجھتے ہیں، چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ چاہے دوسروں کو دھکے دے کر، کہنیاں مار کر آگے نکلنا پڑے۔ مصافحہ بازی کا ایک نہ تھمنے والا طوفان ہے۔ نماز چھوٹ جائے، سلام چھوٹ جائے، جواب چھوٹ جائے، کوئی پرواہ نہیں لیکن مصافحہ نہیں چھوٹنا چاہیے۔

ایک مرتبہ میں نماز پڑھنے آ رہا تھا، جماعت کھڑی تھی ایک طالب علم نے مجھے دیکھا تو صف میں کھڑا ہونے کے بجائے مجھ سے مصافحہ کرنے لگا، اب اس بیوقوف کی حماقت کو دیکھئے، اس سے کوئی پوچھے، مصافحہ کا یہ کون سا وقت ہے؟

دوسروں کو اذیت سے بچائیں

تو بھئی مصافحہ ضرور کریں لیکن ان چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسے مصافحہ کریں کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسی طرح سے طلبہ ایک ساتھ رہتے ہیں تو سب ساتھیوں کا خیال رکھیں کہ کسی کو کوئی ناگواری یا اذیت نہ پہنچے اور اگر کبھی کسی کو ناگواری محسوس بھی ہو جائے تو برداشت کرے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ''نصف شعبان کی شب آنحضرت ﷺ قبرستان تشریف لے جانے کے لیے اٹھے تو صرف چارپائی کی پائنتی کی جانب سے راستہ باقی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سمجھا کہ میں سو رہی ہوں

حالانکہ میں جاگ رہی تھی، فرماتی ہیں کہ: "آپ ﷺ آہستہ سے اٹھ کر پائتی کی طرف سے چار پائی سے نیچے اترے اور دھیرے دھیرے قدم رکھے، آہستگی سے دروازہ کھولا اور بہت آہستہ دروازہ بند کیا پھر آپ ﷺ "جنت البقیع" میں تشریف لے گئے، لمبا تفصیلی واقعہ ہے۔

الغرض! بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیوی ہیں اور بیوی بھی ایسی جاں نثار کہ اگر کوئی تکلیف پہنچتی تو خوشی سے قبول کرلیتیں لیکن رحمت عالم ﷺ چاہتے ہیں کہ ان کی نیند میں خلل واقع نہ ہو اس لیے پائتی کی طرف سے نیچے اترے اور بہت دھیمے اور ہلکے قدموں سے باہر تشریف لے گئے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے ساتھیوں کا پورا خیال رکھیں، ساتھی آرام کر رہے ہوں تو بتی نہ جلائیں، اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت ہی جلائیں، کوئی شور شرابا اور کھٹکا نہ ہو، حاصل یہ کہ جتنے بھی حقوق معاشرت ہمارے ذمہ ہیں، ان تمام کا خیال رکھا جائے اور اسلام میں تو حقوق معاشرت کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ حسن معاشرت کا لب لباب اور تمام کے تمام اخلاق حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ اس ایک حدیث مبارکہ کے تحت داخل ہیں:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده﴾

اس ایک اصول کو یاد رکھئے کہ ہمارے کسی قول و فعل سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے معاشرت کے سارے مسائل خود بخود سمجھ آجائیں گے۔

ادب کسے کہتے ہیں؟

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ ہم سے پوچھا کہ ادب کی تعریف کیا ہے؟ ہم خاموش رہے، پھر خود ارشاد فرمایا:

"ادب کی تعریف یہ ہے کہ تمہارے کسی فعل یا قول سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے"۔

ہر جگہ ادب کا تقاضا ایک سا نہیں ہوتا مثلاً آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلنا ادب ہے، ان کے برابر یا ان سے آگے چلنا بے ادبی ہے حالانکہ یہ کوئی قائدہ کلیہ نہیں ہے۔ اگر آپ کسی بڑے کے ساتھ چلتے جا رہے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں، اب اگر آپ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو اس کو جواب دینے کے لیے بار بار پیچھے مڑنا پڑے گا۔ تو یہ بدتمیزی میں شمار ہوگا، یہاں ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ ساتھ چلا جائے۔ اسی طریقے سے اگر دو طالب علم ہوں تو ادب کا تقاضہ ہے کہ ایک طالبعلم استاد کے دائیں طرف ہو، دوسرا طالب علم استاد کے بائیں طرف ہو اب استاد دونوں کی بات بھی سن سکتا ہے اور جواب بھی دے سکتا ہے۔

کبھی ادب کا تقاضہ ہوتا ہے کہ بڑے سے آگے چلا جائے مثلاً آپ اپنے والد، شیخ یا استاد کے ساتھ اندھیری رات میں جا رہے ہیں اور راستہ بھی خطرناک ہے تو یہاں یہ کہیں گے کہ ابا جان آپ آگے چلیں میں پیچھے پیچھے چلتا ہوں، یہاں ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ عرض کرے کہ میں آگے آگے چلتا ہوں، آپ میرے پیچھے چلیں۔

زمانہ طالب علمی میں سیاسی یا غیر سیاسی جلسوں میں شرکت کی ممانعت

ایک اور اہم بات جو دار العلوم کے قوانین کے ضمن میں آچکی ہے، وہ یہ ہے کہ دار العلوم میں پڑھتے ہوئے آپ کو کسی سیاسی یا غیر سیاسی جلسے میں جانے کی اجازت نہیں ہے اگر غیر سیاسی اور خالص مذہبی ہے تو اس میں جانے کے لیے بھی مدرسے کی اجازت لینا شرط ہے۔

یاد رکھئے! آپ کے والدین نے ہمارے اوپر اعتماد کیا ہے جبھی تو آپ کے والدین نے آپ کو اتنی دور سے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ آپ کہاں کہاں سے سفر کر کے آئے ہیں؟ چترال سے آئے ہیں؟ بلوچستان سے ہمارے پاس آئے ہیں، دیگر صوبوں اور علاقوں سے آئے ہیں، سفر کی مسافت اور مشقت بھی برداشت کی ہے اور مجھے معلوم

ہے کہ داخلے کے سلسلے میں بھی آپ کو خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ یہ بھی آپ حضرات کے فائدے اور نظام تعلیم درست کرنے کے لیے ہے تاکہ حقدار کو اس کا حق مل سکے۔ اس لیے یہ سارے انتظامات کیے گئے ہیں اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے اساتذہ کو بھی خاصی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اب ایک درجے میں چھ طالب علم رکھنے تھے اور دو سو سولہ طلبہ پرچہ دینے والے تھے تو ان اساتذہ نے ان چھ طلبہ کی خاطر دو سو طلبہ کے پرچوں کو چیک کیا۔

تو آپ کے لیے ان مشقتوں کو برداشت کرنے میں بھی بہتری ہے اور بڑی برکات ہیں کیونکہ دین کے جس کام میں جتنی مشقت ہوگی، اس میں اتنی زیادہ برکت ہوگی۔ علمِ دین کے لیے مشقت برداشت کرنا نامعلوم آپ کو کتنے بلند مقام پر فائز کرے گا۔ تو آپ کے والدین نے اسی مقصد کے لیے آپ کو ہمارے پاس بھیجا ہے تاکہ ہمارے بچوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کی جائے اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کراچی شہر کی بدامنی کا کیا عالم ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کے تو نامعلوم کتنے دشمن ہیں۔ ساری دنیائے کفر دینی مدارس کے طلبہ کی دشمن ہے۔ اس لیے بھی آپ کو دارالعلوم سے باہر نہیں جانا چاہیے۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت سے نوازا ہے۔ مدرسے سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہر چیز یہاں موجود ہے۔ اساتذہ یہاں موجود ہیں، کتابیں اور درسگاہیں موجود ہیں۔ مسجد اور نماز جمعہ یہیں ہے، مطبخ یہیں ہے۔ کھیل کے میدان یہیں ہیں۔ ڈاکٹر بھی موجود ہے، ٹیلیفون کی سہولت بھی موجود ہے، ڈاکخانہ اور کینٹین بھی موجود ہے۔ اس لیے بلا اجازت دارالعلوم سے باہر جانے کی اجازت بالکل نہیں ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ چند سال پہلے چند طلبہ کا اخراج اسی بناء پر ہوگیا تھا کہ انہوں نے بغیر اجازت ایک جلسے میں شرکت کی تھی اور یہاں کسی قانون پر عملدرآمد کے لیے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ سال کا آغاز ہے یا اختتام...... کسی بھی وقت قانونی کاروائی ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہاں ایسے طلبہ کی بھی کمی نہیں کہ جن کی محنتوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے اور دل سے ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ الحمدللہ ہر سال دورہ حدیث کے طلبہ کی ایسی بہت بڑی تعداد ہوتی ہے کہ جن کی پورے سال میں کسی دن کی کیا کسی گھنٹے کی بھی رخصت یا غیر حاضری نہیں ہوتی اور رخصت تو دور کی بات کسی گھنٹے میں تاخیر سے نہیں آتے۔ کوئی حدیث ان کی نہیں چھوٹتی۔ ایسے طلبہ کی بہت سی تعداد بخاری شریف میں، ایک بڑی تعداد مسلم شریف میں، اور بہت سی تعداد ابوداؤد شریف اور دیگر کتب میں ہوتی ہے۔

غور کیجئے! یہ معمولی مشقت نہیں ہے، اس کے پیچھے بہت بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ محنت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ ہماری دعا بھی ہے اور خواہش بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اور زیادہ اضافہ فرمائے۔ (آمین)

تحصیل علم کے تین اہم اصول

تحصیل علم کے لیے ہمیں ان تین اصولوں پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

۱۔ پیشگی مطالعہ۔ ۲۔ سبق میں حاضری۔ ۳۔ تکرار کی پابندی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جو طالب علم ان تین باتوں کا خیال رکھے گا اور پوری محنت سے ان پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے طالب علم کو علم سے کبھی محروم نہیں فرمائے گا۔''

پیشگی مطالعہ کے دو بنیادی فائدے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے کتاب کو سمجھنے اور حل کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے سبق اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے اور مطالعہ کے لیے یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ مکمل سبق سمجھ میں آجائے بلکہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مطالعہ کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ معلومات کو مجہولات سے جدا کرلیا

جائے۔''

عبارت پڑھی اور یہ معلوم کرلیا کہ کون سی بات سمجھ میں آئی ہے اور کون سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ سبق میں حاضری اور اس پر دوام اختیار کرنے میں بے انتہا برکات ہیں۔ ایک طالب علم خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو اگر سبق میں حاضر ہوئے بغیر اپنی استعداد کے بل بوتے پر کتاب کو پڑھے گا تب بھی اس کو سبق میں حاضری کی برکات حاصل نہ ہوں گی اور وہ ان سے محروم رہے گا۔ اس لیے ہمیں اسباق میں باقاعدگی سے حاضر ہونا چاہیے تاکہ ہم دورانِ سبق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی رحمت و برکت سے محروم نہ رہیں۔

علم میں رسوخ پیدا کرنا اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک انسان اپنے آپ کو تکرار کا پابند نہ بنالے۔ تکرار سے زبان میں فصاحت پیدا ہوتی ہے۔ اپنے ماضی الضمیر کے اظہار کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے اور تکرار کا عمل ایسا بے مثال اور بے نظیر عمل ہے کہ آج دنیا کے بین الاقوامی تعلیمی ادارے بھی اس تکرار کے عمل کو اپنے ہاں رائج کرنے کی فکر میں ہیں۔

جو طالب علم ان تین باتوں پر عمل کرے گا انشاء اللہ اللہ رب العزت سے بہت امید ہے۔ وہ قدر دان ذات اس طالب علم کو علم نافع سے محروم نہیں فرمائے گا۔

تحصیل علم اور تقویٰ

تحصیلِ علم کے لیے ان باتوں کو اپنانے کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کا اہتمام بھی لازم ہے کہ جس پر تمام باتوں کا انحصار و مدار ہے اور وہ ہے ''تقویٰ'' ہمیں تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ تقویٰ کے بغیر علم نہیں آتا۔ علم ایک نورِ الٰہی ہے جو دل تقویٰ سے عاری ہو اس دل میں یہ نورِ الٰہی کیسے داخل ہوسکتا ہے......؟۔

حصولِ تقویٰ کے لیے ضروری ہے کہ کسی اللہ والے کے ساتھ اپنے کو منسلک کیا

جائے۔ طلبہ مدرسوں سے فارغ ہو کر خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں، ہم ان دینی مدارس ہی کو خانقاہ بنا دیں۔

ہمارے دادا حضرت مولانا یٰسین صاحب نور اللہ مرقدہ جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق اور دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر ہیں۔ جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی، اسی سال ان کی پیدائش ہوئی فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور بھی دیکھا ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور مہتمم سے لے کر ایک چپڑاسی تک سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی یہی تو خصوصیت تھی کہ جہاں وہ ایک مثالی درسگاہ تھی وہاں خانقاہ بھی تھی۔ اساتذہ بزرگوں کے تربیت یافتہ تھے۔ طلبہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں رہتے تھے اور اس خدمت سے وہ دین سیکھتے تھے اور اپنی اصلاح کروا کر تقویٰ کے اعلیٰ درجات پر ہوتے تھے تو ہمیں دارالعلوم کی معطر و مقدس فضاء کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے اساتذہ سے اصلاح اور تزکیہ نفس بھی کروانا ہے تا کہ ہمیں تقویٰ کی دولت نصیب ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نیتوں کو خالص کرنے اور علم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

☆......☆......☆

تعلّق مع اللہ کا آسان طریقہ "ذکراللہ"

موضوع: تعلق مع اللہ کا آسان راستہ ''ذکر''

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

﴿تعلق مع اللہ کا آسان راستہ ”ذکر“﴾

﴿الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ و من یضلل فلاھادی لہ نشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم الرحمن الرحیم. ”یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اُذْکُرُو اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً وَ سَبِّحُوْ بُکْرَۃً وَاَصِیْلاً صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ﴾ (احزاب ۴۱، ۴۲)

(ترجمہ) ”اے ایمان والو! اللہ کو بکثرت یاد کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کیا کرو۔“

بزرگان محترم و برادران عزیز!

ہماری اندرونی حالت زار:

اس وقت پاکستان کے مسلمان بلکہ پورے عالم اسلام کے مسلمان فتنوں کے طوفان کا سامنا کر رہے ہیں، طرح طرح کی پریشانیاں ہماری زندگیوں میں داخل ہوگئی ہیں۔ پاکستان کا حال تو کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔ اندرونی طور پر بدامنی ہے۔ عدالتوں سے انصاف نہیں ملتا، سرکاری دفاتر سے لوگوں کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ تعلیمی اداروں

میں بچوں کو ایسی تعلیم و تربیت نہیں ملتی جو ان کے مستقبل کیلئے حقیقت پسندانہ ہو۔ نظام حکومت ڈاواں ڈول ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حکومتیں اب تمام سرکاری اداروں کو چلانے سے تھک گئی ہیں۔ اس لیے اب ان سے کوئی ادارہ سنبھلتا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بے چینیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا ملک عطا فرمایا تھا کہ جس کی دنیا میں نظیر ملنا مشکل ہے لیکن یہاں کی زندگی بے چینی کی زندگی ہے، سکون نہیں ہے، بجلی کا بحران ہے، بدامنی کا بحران ہے، قتل و غارت گری کا بحران ہے، رشوت ستانی کا بحران ہے، سیاسی بحران ہے، چوریاں اور ڈکیتیاں معمول بن چکی ہیں، کسی کو کسی پر اعتماد نہیں رہا، بھائی کو بھائی پر بھروسہ نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لیے تیار ہیں ذرا سا کسی کو پیسہ کمانے کا موقع ملتا ہے تو بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو حلال وحرام کی تمیز کرتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

حرام مال کا خمیازہ

پھر ناجائز طریقوں سے حاصل کیا ہوا حرام مال جو جو مصیبتیں لاتا ہے وہ بھی ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ پھر کبھی وہ مصیبتیں بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اور بیماریاں بھی ایسی کہ کبھی کسی نے سنی تک نہیں ہوتیں۔ پھر کچھ وہ مصیبتیں ہم پر حادثات، مشکلات، آسمانی آفات، زلزلوں، خشک سالی اور قحط کی شکل میں مسلط ہوتی ہیں۔ یہ سب حرام مال کے نتائج ہوا کرتے ہیں جو ہم سب بھگت رہے ہیں۔ یہ تو ہمارے اندرونی حالات ہیں۔

ہماری بین الاقوامی حالت زار

ہمارے بیرونی اور عالمی حالات نہایت درد ناک ہیں۔ اس وقت تمام مغربی طاقتیں پورے عالم اسلام پر حملہ آور ہو چکی ہیں اور وہ مسلمانوں کا بیج مار دینا چاہتی ہیں اور اسلام کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا چاہتی ہیں اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارے عالمی اقتدار کے لیے

اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ اسلام ہے جو ہمیں ظالمانہ اقتدار قائم رکھنے سے روک رہا ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ اقدام کر رہے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ۔ سرکار دو عالم آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گھناؤنی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں جلسے جلوس کر لیے بیانات دے دیئے البتہ اتنا تو الحمدللہ ہوا کہ پوری دنیا کے مسلمان بے چین ہوئے ہیں۔ لیکن ہم کوئی عملی اقدام نہ کر سکے۔ کم از کم اتنا تو ہو جاتا کہ جو مما لک اس گھناؤنے فعل میں شریک تھے ان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جاتا تو ان کو خبر ہو جاتی۔ ان پر دباؤ ڈالنے کے دسیوں طریقے ہو سکتے تھے۔ ان کے اوپر سرکاری طور پر دباؤ ڈالا جا سکتا تھا۔ مگر نہیں۔ کچھ جلسے اور جلوس ہو گئے اور ان میں بھی الٹا ہم نے اپنی ہی املاک کو آگ لگا کر شیطان کو خوش کیا۔ کتنی گاڑیاں، کتنی عمارتیں اور کتنی املاک کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔ توہین دشمنوں نے کی اور ہم نے ان کے بجائے اپنے ہی بھائیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ ہماری افراتفری کا عالم ہے۔ ہمارا معاشرہ انتشار کا شکار ہے۔ قیادت کا فقدان ہے کوئی دائیں طرف جا رہا ہے کوئی بائیں طرف جا رہا ہے۔ ہر طرف ایک اضطراب کی سی کیفیت طاری ہے اور جو لوگ حکومت پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ مغرب کے غلام ہیں اور آزاد سوچ سے ہی محروم ہیں۔ اگر یہ آزاد ہو کر سوچنے کی کوشش کریں تو کچھ حرص و لالچ کی وجہ سے کچھ محکومانہ غلامی اور محکوم ذہنیت کی وجہ سے اور کچھ بزدلی کی وجہ سے آزاد ہو کر سوچ ہی نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کفار کی طاقتیں مسلمانوں کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہیں۔ افغانستان میں، عراق میں، فلسطین، کشمیر اور بہت سی جگہوں میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ جہاں مسلمان اپنے آزاد ملکوں میں رہ رہے ہیں۔ وہاں انہوں نے حکمرانوں کو عوام کے اوپر مسلط کر دیا ہے جو مسلمانوں پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈھا رہے ہیں۔

دشمن ہماری تاک میں ہے:

لیکن خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ مسلمانوں کے خلاف اقدامات کرنے والے ان پر

ظلم وستم ڈھانے والے تو ہمیشہ سے ظلم وستم کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں جنگ تو شروع سے چل رہی ہے۔ دشمن تو آپ پر وار کرنے کے لیے تاک میں ہے جب بھی اس کو موقع ملے گا وہ آپ پر وار کرے گا آپ لاکھ اس کو برا بھلا کہیں۔ اسے گالیاں دیں۔ اسے کوسیں مگر وہ تو اپنا کام کرے گا۔

ہم کیا کر رہے ہیں؟

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ہم قومی دولت کو لوٹ رہے ہیں، ہم نے رشوت ستانی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اگر کام چوری اور حرام خوری ہمارے اندر نہ ہوتی تو بجلی آنکھ مچولی نہ کھیلتی، پانی کا یہ بحران نہ ہوتا، یوں گلیاں اس طریقے سے بدبو سے نہ سڑتیں، سڑکیں اس طریقے سے بے یارومددگار نہ پڑی ہوئی ہوتیں لیکن ہماری حالت جوں کی توں ہے جس کو لوٹنے کا موقع ملتا ہے وہ لوٹ لیتا ہے۔ وہ رشوت لے لیتا ہے حالانکہ یہ مسلمانوں کے کام تو نہیں ہیں یہ تو منافقوں اور کافروں کے کام تھے اسلام نے ہمیں ان تمام باتوں میں سے کوئی بھی بات نہیں سکھائی تھی۔ اسلام نے تو ہمیں اعلیٰ درجے کا مہذب و شائستہ مسلمان بنایا تھا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے اور تکلیف سے بچانے والا بنایا تھا۔

تمام خرابیوں کی اصل وجہ! تعلق مع اللہ میں کمزوری

ہمارے اس قسم کے تمام اعمال بد جن کی وجہ سے تمام مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان کی اصل وجہ کیا ہے؟ اگر ہم غور کریں تو ان ساری چیزوں کی جڑ یہ ہے کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی کمزور ہو گیا ہے اگر اپنے رب سے اپنے خالق و مالک سے، اپنے معبود حقیقی سے ہمارا تعلق کمزور نہ ہوتا تو ہمارے یہ حالات نہ ہوتے۔

اللہ ہم سے ناراض ہے!

جب ہزارہ ڈویژن میں قیامت خیز زلزلے آئے تو ان علاقوں کا دورہ کرنے

کے لیے وفاق المدارس کا اعلیٰ سطحی وفد جس میں میں بھی شامل تھا وہاں گیا۔ ہم نے جگہ جگہ دورے کیے تو وہاں مسلمانوں میں ہزارہ ڈویژن کے فوجی جنرل کا مسلمانوں کی مصیبت زدگی میں مدد پہنچانے کے لیے کیمپ لگا ہوا تھا۔ وہ فوجی جنرل اچھے مسلمان اور نمازی آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے اور ترقی عطا فرمائے۔ ہماری ان سے ملاقات ہوئی تو ہمیں سارے حالات بتا رہے تھے کہ مسلمانوں پر کیا گزری۔ دوران گفتگو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ان کی آواز بھر آئی اور کہنے لگے کہ ''اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہے ہم سے خوش نہیں ہیں۔''

یہ بات اس علاقے کا انتظام کرنے والا ایک فوجی جنرل کہہ رہا ہے اور حالات بھی یہی بتا رہے ہیں وہاں بارش آئی تو تباہی مچادی اور یہاں لوگ بارش کو ترس رہے ہیں۔ صلوۃ الاستسقاء پڑھ رہے ہیں یہ سب اس بات کی علامتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق انتہائی کمزور ہوگیا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق صحیح معنی میں جڑا ہوتا تو ہم اپنے گناہوں کے بارے میں اتنے بے خوف نہ ہوتے۔ اس بے فکری کے ساتھ کام چوری اور دغا بازی نہ کررہے ہوتے اور اس جرأت کے ساتھ رشوتیں اور سود نہ لے دے رہے ہوتے۔

اچھے کاموں کا ثمرہ مل کر رہتا ہے:

خوب یاد رکھیے! اللہ رب العلمین انصاف کرنے والا ہے۔ کافر دنیا میں جو نیک کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں اس کا پھل دے دیتا ہے۔ مثلاً تجارت میں دھوکہ بازی نہیں کرتے، سیاست میں دوسری قوموں کے ساتھ تو بڑی خباثتیں، عہد شکنیاں اور دھوکہ بازیاں کرتے ہیں اور سفاکی کے اندر چنگیز خان سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن اپنے ملکوں کے اندر اپنے عوام کے ساتھ یہ دھوکہ بازی نہیں کرتے۔ جھوٹ نہیں بولتے، عوام کی خدمت کرتے ہیں اور ذمہ داریاں پوری طرح انجام دیتے ہیں۔ یہ سب نیکیاں ہیں اور ان کو دنیا میں ان کا پھل مل رہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی

نیکی کو بیکار جانے نہیں دیتا۔

جزائے اعمال میں مومن اور کافر کا فرق:

لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ کافر کو اس کی نیکیوں کا پھل دنیا میں ہی مل جاتا ہے تاکہ آخرت میں ان کو کچھ دینا نہ پڑے لہٰذا آخرت میں ان کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ سوائے عذاب کے جو ان کے کفر و فسق کا وبال ہوگا۔

اور مومن کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بہت سارے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی دے دیتے ہیں تاکہ آخرت میں اس کے گناہ کم رہ جائیں اور عذاب سے بچ جائے۔

خوب یاد رکھیئے! کہ کافر قومیں جتنی بھی عیاشیاں، بدکاریاں کررہی ہیں، شراب نوشی کا طوفان ہے اور کفر وشرک ہے۔ ان کی سزا ان کو آخرت میں بھگتنا پڑے گی اور جہاں تک مسلمان کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان کو اس کے گناہوں کی سزا آخرت میں نہ ملے جہاں تک ممکن ہو اسے بچا دیا جائے اور اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل جائے۔

مسلمان کو گناہ موافق نہیں آتا:

یہی وجہ ہے کہ مسلمان کو کبھی گناہ موافق نہیں آتا کوئی گناہ کرتا ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی مصیبت آجاتی ہے کوئی پریشانی یا کوئی خسارہ آ پکڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ بعض لوگوں کو گناہ موافق آجاتا ہے۔

گناہ موافق آنے کی صورتیں:

گناہ موافق آنے کی مثال یہ ہے مثلاً بعض لوگ سود کھانے یا رشوت لینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی نیا آدمی یہ کام کرے گا تو فوراً کوئی پریشانی آئے گی تو سمجھ

جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ آ گئی ہے۔ لیکن جو لوگ ان وارننگوں کی پرواہ نہیں کرتے اور ان تنبیہات پر نہیں چونکتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے دیتا ہے اس کو "استدراج" کہتے ہیں اور یہ ڈھیل کافروں کو بھی دی جاتی ہے اور مسلمانوں کو بھی دی جاتی ہے کہ باز نہیں آتے۔ اچھا پھر کرو گناہ! پھر اس آدمی کے لیے گناہ کے اسباب آسان کر دیتے ہیں۔ سود کھا رہے ہو اچھا کھاؤ، چوری کر رہے ہو اچھا کرتے رہو، ڈکیتیاں ڈال رہے ہو، لوگوں پر ظلم کر رہے ہو کرتے رہو، اسے پکڑتے نہیں اور وہ بے خوف ہو کر گناہ کرنے لگتا ہے اور اس کو گناہ موافق آ جاتے ہیں یہ اس کی بدبختی کی علامت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کر لیا ہے اور ممکن ہے دنیا میں بھی پکڑ لیں ورنہ آخرت میں تو چھوڑے گا ہی نہیں۔

گناہ کے ناموافق ہونے کی صورتیں:

البتہ جس مسلمان کو گناہ موافق نہ آئیں یہ اس کی خوش نصیبی کی بات ہے۔ چنانچہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو گناہ موافق نہیں آتے، کوئی پریشانی آ گئی، راز کھل گیا، گناہ کرنا چاہ رہا تھا۔ پہلے سے ہی پتہ چل گیا یا گناہ کر لیا تھا فوراً کوئی ایسی بات پیش آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رو کر گڑگڑا کر گناہ معاف کروالیا۔ تو یہ سب گناہ کے ناموافق ہونے اور مسلمان کی خوش قسمتی کی دلیل ہیں۔

گناہ کے موافق اور ناموافق آنے کی حکایت

ہم نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے گناہ کے موافق آنے اور موافق نہ آنے کے بارے میں ایک حکایت سنی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں۔ ایسے ہی دو فرشتے دنیا میں اپنی ذمہ داری ادا کر کے اوپر جا رہے تھے کہ اتنے میں ان کی آپس میں ملاقات ہوگئی ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو اور کیا ذمہ داری ادا کی ہے؟

یہودی کی خواہش پوری فرمادی:

اس نے جواب دیا کہ میں ایک عجیب ذمہ داری ادا کر کے آ رہا ہوں وہ یہ کہ ایک یہودی مرنے والا تھا اور شاید مر بھی گیا ہو۔ اس کو مچھلی کھانے کا بہت شوق تھا۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مچھلی کھانے کو مل جائے۔ پتہ کروایا تو پورے بازار میں کہیں مچھلی نہیں تھی۔ تو مجھے حکم ہوا کہ کوئی اچھی سی زندہ مچھلی اس کے حوض میں جا کر چھوڑ دوں چنانچہ میں نے جا کر اس کے حوض میں زندہ مچھلی ڈال دی۔ اور اس کے گھر والے اس مچھلی کو بنا رہے تھے۔ سوال کرنے والے فرشتے نے حیرت سے کہا اچھا یہودی کی مرضی پوری کردی۔

مسلمان کو عمل بد کی سزا دنیا میں:

دوسرے فرشتے نے پہلے فرشتے سے پوچھا کہ تم کیا کر کے آ رہے ہو اس نے کہا کہ میں بھی ایک عجیب کام کر کے آ رہا ہوں وہ یہ کہ ایک نہایت نیک مسلمان تھا۔ اس کا آخری وقت تھا۔ اس کے سامنے کی الماری پر شہد کی شیشی رکھی ہوئی تھی۔ اس کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ وہ شہد پی لے اتنے میں مجھے حکم ملا کہ جا کر وہ شہد کی شیشی گرا دوتا کہ شیشی ٹوٹ جائے اور وہ شہید نہ پی سکے چنانچہ میں نے جا کر شہد کی شیشی گرادی اور وہ شہد نہ پی سکا اور اسی تمنا کو لیے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

آخرکار دونوں فرشتے اسی حیرانگی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے۔ فرشتوں نے اپنی روداد پیش کی اور عرض کیا کہ ہمیں ان دونوں واقعات کی وجہ سمجھ نہیں آئی کہ کیا وجہ ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ جو کافر یہودی تھا اس کے تمام نیک کاموں کا بدلہ میں نے دنیا میں دے رکھا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کو مال و دولت، ہر قسم کا ساز و سامان دیا اور اس نے خوشیوں بھری زندگی گزار دی ہے لیکن اس یہودی کی ایک نیکی ایسی رہتی تھی جس کا بدلہ اسے ابھی تک نہیں ملا تھا لہٰذا اس

باقی ماندہ نیکی کا بدلہ اس مچھلی کی صورت میں دے دیا ہے تا کہ اب میرے ذمے اس کا کوئی بدلہ باقی نہ رہے۔ اب جب وہ آخرت میں میرے پاس آئے گا تو میرے پاس سوائے عذاب کے کچھ نہیں پائے گا اور جہاں تک مومن کا تعلق ہے وہ میرا نیک بندہ تھا۔ میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے تھے لیکن ایک گناہ ایسا تھا جس کی اس نے معافی نہیں مانگی تھی اور کوئی نیک عمل بھی ایسا نہیں کیا تھا جو اس کا بدل بن سکے تو میں نے اس تکلیف کے ذریعے اس گناہ کی تلافی کر دی ہے جو اس کو شہد کے نہ ملنے کی صورت میں پہنچی ہے اب جب وہ میرے پاس آئے گا تو میرے پاس اس کے لیے سوائے رحمت و ثواب کے کچھ نہیں ہوگا۔

تکلیف مومن کے لیے رحمت ہے:

الغرض مومن کو تکلیف پہنچنے سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور تکلیف بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کو جو پھانسی چبھتی ہے یا بخار ہوتا ہے اس سے بھی مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور برائیاں ڈھل جاتی ہیں۔

اس حدیث مبارک سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جو تکلیفیں آتی ہیں وہ گناہوں سے آتی ہیں اور چونکہ گناہوں سے توبہ کرنا اپنے اختیار کی بات ہے تو ہمیں گناہوں سے توبہ استغفار کرتے رہنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کو دوسری مصیبتیں نہ بھیجنی پڑیں اگر ہم گناہو ں اور اپنی بداعمالیوں کو نہیں چھوڑیں گے تو مصیبتیں آرہی ہیں اور آتی رہیں گی۔

گناہوں سے بچنے کا طریقہ:

اب گناہوں سے بچنے کا طریقہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان اور خیال رکھنا ہے اور دھیان کیسے رکھا جائے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے جس وقت اور جس طرح بھی ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔

کائنات کی بقا اللہ کے ذکر سے ہے:

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر وہ چیز ہے جو اس پوری کائنات کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بدولت اس کائنات کا وجود ہے جب تک اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا رہے گا یہ کائنات بھی موجود رہے گی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ختم ہو جائے گا قیامت آ جائے گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ قیامت کن لوگوں پر آئے گی؟ احادیث میں صراحت ہے کہ قیامت آنے سے پہلے یمن کی جانب سے ایک نرم ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی روحوں کو بڑے آرام سے قبض کر لے گی تاکہ قیامت کے ہولناک اور وحشتناک مناظر کا ظہور ان کے سامنے نہ ہو اور وہ ان سے محفوظ رہ سکیں۔

چنانچہ سو سال تک زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا حتیٰ کہ قیامت قائم کر دی جائے گی تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بدولت اس کائنات کا وجود ہے اور یہی ذکر اللہ پوری کائنات کی روح و جان ہے۔

تمام عبادات کا حاصل، ذکر اللہ:

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی تمام عبادتوں کا حاصل اور مقصود ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا اصل مقصد اللہ کا ذکر اور اس کی یاد ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کے ہر ہر حصے میں کوئی نہ کوئی ذکر رکھا ہے۔

ذکر اللہ کا امتیازی وصف:

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے شیخ اور مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ بہت اہم باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے اور خاص طور پر ذکر اللہ کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتے تھے کہ

''قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ کے سوا کوئی ایسا کام نہیں ہے جسے کثرت سے کرنے کا حکم دیا گیا ہو حتیٰ کہ نماز جو کہ اتنی بڑی عبادت ہے کہ آخرت میں سب سے پہلے اسی کا حساب ہوگا اور اسلام کا اہم رکن ہے لیکن نماز کے بارے میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ کہا گیا ہو نمازیں کثرت سے پڑھو۔ اس طرح دیگر عبادات کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہا کہ حج کثرت سے کیا کرو، اس طرح روزوں کے بارے میں کہیں یاد نہیں پڑتا کہ قرآن مجید میں آیا ہو کہ روزے کثرت سے رکھا کرو۔''

اگرچہ نمازیں کثرت سے پڑھنا، روزے کثرت سے رکھنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نفلی نمازیں مثلاً تہجد وغیرہ اور نفلی روزے کثرت سے رکھا کرتے تھے لیکن قرآن کریم میں ان کی کثرت کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔ ان عبادات کے علاوہ اور بھی کسی کام کے بارے میں کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ مثلاً جہاد اور زکوٰۃ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ جہاد کثرت سے کرو یا زکوٰۃ کثرت سے دیتے رہو لیکن ذکر اللہ کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُو اللّٰهَ ذِکْراً کَثِیْراً﴾

''کہ اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں مجنوں کہنے لگیں۔''

پسندیدہ مسلمانوں کی خاص صفت:

''سورۂ سبا'' میں پسندیدہ مسلمانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان میں سے ایک صفت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھی ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِیْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْراً وَالذَّاکِرَاتِ﴾

ہمارے بزرگوں کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ ہروقت ان کی زبانیں ذکر اللہ سے تر رہتی تھیں کوئی ضروری بات ہوتی تو کر لیتے تھے اس کے بعد جتنا وقت بھی فارغ ملتا اس میں کوئی نہ کوئی ذکر ہوتا رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ذکر اللہ کی کثرت:

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ صحیح البخاری کے شارح ہیں اور بلند پایہ کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کے بارے میں آتا ہے کہ کتابیں لکھتے لکھتے جب قلم گھس جاتا اب قلم کو دوبارہ بنانے کی ضرورت درپیش ہوتی تو قلم کو دوبارہ بناتے ہوئے جو تھوڑا سا وقت گزرتا تھا (تو وہ اس وقت بھی کوئی نہ کوئی ذکر شروع کر دیتے تھے اور جب قلم بن جاتا تو لکھنا شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قلم بنانے کے تھوڑے سے وقت کو بھی ضائع ہونے سے بچاتے تھے بلکہ اس میں بھی سہولت کے ساتھ ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔

ذکر اللہ آسان ترین کام ہے:

اب چونکہ قرآن وحدیث میں جابجا کثرت سے ذکر کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے تو اس لیے ذکر کو نہایت آسان بھی بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا ذکر اللہ میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ انسان سارے کام کرتا رہے۔ پھر بھی ساتھ ساتھ ذکر کر سکتا ہے۔ مثلاً آپ گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا رہے ہیں تو اگر تسبیح پاس ہو تو تسبیح کے ذریعے اور اگر تسبیح نہ ہو تو انگلیوں پر کر سکتے ہیں کوئی سورت یاد ہو تو وہ پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح اگر آپ سائیکل پر جا رہے ہیں تو اب چونکہ انگلیوں اور تسبیح کے ذریعے ذکر کرنا مشکل ہے تو صرف زبان کے ذریعے

کوئی دوسرا ذکر کر سکتے ہیں۔ مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ پڑھ سکتے ہیں دعائیں کر سکتے ہیں۔ درود شریف کا ورد کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو صرف اللہ، اللہ تو کر سکتے ہیں۔

اب غور کیجئے کہ کیا کوئی مشکل پیش آرہی ہے؟ کوئی محنت خرچ ہو رہی ہے؟ کوئی مخصوص وقت نکالنا پڑھ رہا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اپنے روز مرہ کے کام بھی ہو رہے ہیں اور نہایت آسانی کے ساتھ اتنی عظیم الشان عبادت بھی سرانجام پارہی ہے کہ ہم جس کی عظمت وشان کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔

شریعت کی رو سے آسانیاں

شریعت نے اللہ کے ذکر میں کوئی کڑی قیود وشرائط نہیں لگائیں مثلاً ذکر اللہ کے لیے مخصوص وقت نکالنا، قبلہ رخ بیٹھنا، باوضو ہونا وغیرہ شرط نہیں ہے بلکہ ہر حالت میں ذکر ہو سکتا ہے حتی کہ جنبی ہونے کی حالت میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ بے وضو قرآن کو چھو کر پڑھنا اور جنابت کی حالت میں قرآن مجید کو چھونا اور پڑھنا ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اسی آسانی کے پیش نظر ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"مولوی صاحب! اللہ کا ذکر کرنے کے لیے اس بات کا انتظار نہ کرو کہ مسجد جائیں گے باوضو ہوں گے قبلہ رخ بیٹھیں گے پھر ذکر کریں گے...... نہیں نہیں...... بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت چپکے چپکے اپنے اللہ میاں سے باتیں کرتے رہا کرو۔"

اس بات کو یوں سمجھئے کہ مثلاً گاڑی، ریل یا ہوائی جہاز میں کہیں جا رہے ہیں اور دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے ہیں کہ یہ کام بھی ہے یہ بھی کرلوں، فلاں کام ہے وہ بھی کرنا ہے...... تو چپکے سے اللہ سے عرض کر دیجئے کہ باری تعالیٰ میرا یہ کام بھی

کر دیجئے۔ فلاں کام بھی پورا کر دیجئے۔''

یا مثلاً آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں اور خیال آ رہا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں تو چپکے سے اللہ میاں سے درخواست کر دیجئے کہ ''یا اللہ مجھے بتلا دیجئے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں اور جس کام میں خیر و بھلائی ہو مجھ سے وہی کام کروا دیجئے۔''

آپ یہ کام کرنا شروع کریں اور رفتہ رفتہ کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسی طرح عمل کرتے کرتے ایسا وقت بھی آئے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جائیں گے۔

ذکر اللہ کے فوائد

پہلا فائدہ، ہر لمحہ یادِ الٰہی میں:

اللہ والا کسے کہتے ہیں؟ اللہ والا وہ آدمی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سمائی ہو۔ وہ گناہوں سے بچتا ہو اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ فرائض و واجبات بھی ادا کرتا ہو۔

اور یہی ذکر اللہ کا بڑا فائدہ ہے کیونکہ جب انسان ہر لمحہ اپنے رب العلمین کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ پروردگار عالم کی عظمت و محبت اور اس کا دھیان انسان کے دل میں جگہ کر لیتا ہے اور انسان کے رگ و ریشے میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر گناہ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ اگر ایسا شخص گناہ کرے گا بھی تو اسے گناہ میں لذت نہیں آئے گی اور اس کا دل ہر وقت ایسے کاموں کا طالب رہے گا جو کام رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنتے ہوں۔

دوسرا بڑا فائدہ: رقت قلب:

ذکر کا ایک دوسرا بڑا فائدہ دل کی نرمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

محفوظ فرمائیں بعض لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہیں بھی کہ کوئی نیک کام کرلیں۔ یا کوئی نیک اور اچھی بات سن کر سمجھ لیں تو بھی ان کا دل اس طرف چلتا نہیں ہے اس طرح کوئی نصیحت کرے تو وہ دل میں نہیں اترتی۔ حالانکہ عقل اس نصیحت کو درست قرار دے رہی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود دل کی سختی کی وجہ سے کسی بھلائی کی نصیحت انسان کے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

تو دل کی سختی دور کرنے اور اس میں نرمی پیدا کرنے کا آسان طریقہ ''ذکر'' ہے جب انسان کثرت سے ذکر کرتا ہے تو دل کی سختی کم ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے اور آدمی نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

تیسرا بڑا فائدہ: گناہوں سے حفاظت

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ جب کثرت سے ذکر کرو گے تو پھر کیفیت یہ ہوگی کہ گناہ کرنا بھی چاہو گے تو گناہ نہ کرسکو گے اگرچہ آپ نے اس کا عزم اور ارادہ کرلیا ہو کوئی نہ کوئی ایسی رکاوٹ آجائے گی۔ کہ گناہ نہ ہو سکے گا۔''

اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ گناہوں سے بچا کر آخرت کے عذاب سے بچالے۔ کیونکہ اصل میں ہم یہاں رہنے تھوڑا آئے ہیں۔ درحقیقت اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے ہم اس دنیا میں امتحان دینے آئے ہیں۔ اور ہم اس وقت امتحان گاہ میں بیٹھے۔ امتحان دے رہے ہیں۔ ہمارا ہر ہر قول و فعل ریکارڈ ہو رہا ہے اور ہم یہاں جو کچھ بھی کہیں گے یا کریں گے اس کا حساب وہاں آخرت میں ہوگا اور رزلٹ وہیں آؤٹ ہوگا۔ اگر ہم اس امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ تو بس پھر کامیابی ہی کامیابی ہے۔ انشاء اللہ پھر جنت میں پہنچ جائیں گے جو کہ ہماری اصل منزل ہے۔

چوتھا بڑا فائدہ: سکون قلب:

''ذکر'' کی برکت سے جہاں آخرت میں ابدی کامیابی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کثرت سے ذکر کرتے رہنے سے انسان کو دنیا کی زندگی کا لطف بھی آنے لگتا ہے اور اس کو دنیا میں بھی قلبی سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

﴿اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تطمَئِنَّ القُلوبُ﴾

''اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے انسان کو قلبی سکون مل سکتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا تو سکون نصیب ہوگا۔ جب سکون ملے گا تو راحت حاصل ہوگی اور جب راحت حاصل ہوگی تو نیند بھی آئے گی۔ کھانا پینا بھی اچھا لگے گا، گھر کی زندگی بیوی، بچے، عزیز و اقرباء غرض کہ ساری دنیا اچھی لگنے لگے گی۔ لیکن جب چین و سکون ہی نصیب نہ ہو تو پھر انسان کہاں جائے؟ کیا کرے؟ ہر چیز سے نفرت ہو جائے گی۔

فرانس میں خودکشیوں کی وجہ:

چند سال پہلے کی بات ہے کہ جب میں فرانس گیا تو ہمارے دوستوں نے جو وہاں مقیم تھے ہمیں بتایا کہ یہاں خودکشی کا اس قدر رجحان ہے کہ اوسطاً ہر چار سے پانچ منٹ میں ایک خودکشی ہوتی ہے۔ میں نے ان سے اس المناک صورتحال کی وجہ پوچھی کہ کیا وجہ ہے؟ کہیں اس کا سبب غربت و بے روزگاری تو نہیں ہے؟ یا بیماریاں زیادہ ہیں یا کچھ اور مسائل ہیں۔ تو وہ حضرات کہنے لگے کہ ایسی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ امن و امان قائم ہے موسم بھی ایسا بہتر ہے کہ جو صحت کے لئے مفید ہے اور بے روز گاری بھی نہیں ہے بلکہ لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔

البتہ خودکشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو قلبی سکون میسر نہیں ہے ہر کسی کو بے

چینی لاحق ہے اور زندگیوں سے راحت وسکون ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر یہ راحت وسکون حاصل ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ ارشاد فرمایا دیا گیا ہے کہ "الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب"۔

معلوم ہوا کہ انسان کو مال و دولت، خوشیوں راحتوں اور لذتوں کے اسباب مل سکتے ہیں۔ اچھا مکان، اچھی گاڑی، اچھی ملازمت، اور بڑا عہدہ مل سکتا ہے لیکن راحت، چین، اور قلبی سکون کی دولت اللہ کی یاد کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔

پانچواں بڑا فائدہ: تقویتِ قلب

پھر اس ذکر اللہ کی بدولت دل کو قوت ملتی رہتی ہے اور اس قوت کی وجہ سے انسان مصائب، تکلیف ومشکلات اور پریشانیوں میں گھبراتا نہیں ہے بلکہ اس کی ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کمر پر کسی نے ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ تو ذکر اللہ کے باوجود بھی پریشانی آئے تو قوت وڈھارس بندھی رہنے سے صبر کی توفیق مل جاتی ہے۔ جو درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور پھر اسی ذکر کی بدولت تکالیف ومصائب میں کمی آتی چلی جاتی ہے اور زندگی میں راحت ولطف پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

بے توجہی سے ذکر کرنے کا حکم

بہت سے حضرات یہ سوچتے ہیں کہ ایسے ذکر کا کیا فائدہ؟ کہ توجہ کسی اور طرف ہے اور ذکر کر رہے ہیں گویا بے توجہی اور بلا استحضار ذکر کرنا غیر مفید ہے۔ اس قسم کے سوالات حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت آتے تھے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ان سوالات کا جواب یوں دیا کرتے تھے کہ:

اگر زبان نیک کام میں لگی ہوئی ہے تو آپ کا کیا حرج ہو رہا ہے۔ اگرچہ دوسرے اعضاء ذکر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہیں لیکن زبان تو لگی ہوئی ہے ناں! تو میاں بس اسی کو غنیمت جانو کیونکہ اس کا بھی تو ثواب ملتا ہے۔ اور یہ سوچنا کہ ایسے وقت میں ذکر

کروں گا جب کوئی مصروفیت نہ ہوگی اور مکمل توجہ ذکر کی طرف رکھنا ممکن ہوگا تو یہ شیطان کا دھوکہ ہے شیطان ذکر سے روکنے کے لئے اس قسم کے وساوس سے انسان کو بہکانا چاہتا ہے اس لئے جب بھی موقع ملے تو دل اور دماغ کی توجہ کسی اور طرف ہو تو بھی ذکر کرنا چاہیے اور جب ذکر اللہ کی عادت پڑ جائے تو پھر ذکر کے بغیر چین وسکون نہیں آئے گا۔

ہماری دادی مرحومہ کے کثرتِ ذکر کا عالم

ہماری دادی مرحومہ رحمہا اللہ جو کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں اور سید خاندان سے تھیں لیکن بے چاری پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ تقریباً ۹۰ یا ۹۵ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا اور دارالعلوم میں سب سے پہلی قبر انہی کی بنی تھی۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ جب بھی خاموش ہوتیں تھیں خواہ جاگ رہی ہوں یا سو رہی ہوں ان سے اللہ، اللہ، اللہ کی آواز سنائی دیتی رہتی تھی۔

وجہ یہی تھی کہ جب ذکر اللہ کی عادت بن جاتی ہے اور یاد الٰہی دل میں سما جاتی ہے تو پھر ذکر کے بغیر انسان کو قرار نہیں آتا۔ زبان خود بخود ذکر کرنے لگتی ہے اور دل بھی پوری طرح متوجہ رہتا ہے۔

خلاصہ کلام

ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کے لئے کثرت سے ذکر کرنا چاہیے۔ جو کوئی مشکل کام نہیں ہے بلکہ آسان ترین کام ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت افضل کام ہے۔ جب کثرت ذکر سے ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو جائے گا تو انشاء اللہ ہمارے سب مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں کثرت سے اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

☆☆☆

سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنیؒ

موضوع: سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

سانحۂ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للّٰہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی نبیه المجتبی
و علیٰ عبادہ الذین الصطفیٰ اما بعد!

وفات کی خبر

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ہمیں تاخیر سے ملی۔ آج کل اخبار دیکھنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ ہمیں یہ خطاب کل کرنا چاہیے تھا لیکن اطلاع نہ ملنے کے بسبب یہ خطاب آج ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر تمام مسلمانانِ برصغیر کے لیے عموماً اور تمام دینی حلقوں کے لیے خصوصاً بڑی المناک خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے ان کو درجاتِ عالیہ سے نوازے اور ان کے پسماندگان کو فلاح دارین اور صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے رخصت ہونے سے دینی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہو اللہ تعالیٰ اس خلاء کو بھی آسانی کے ساتھ پورا فرمادیں اور ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے باہمی تعلقات

مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے دل پر متعدد وجوہ سے بہت سارے غم جمع ہو گئے ہیں کیونکہ ان سے ہمارا تعلق مختلف وجوہ سے تھا۔

پہلا رشتہ

ہمارا ان سے ایک رشتہ یہ ہے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے بھائی جان جناب محمد ذکی کیفی مرحوم کے ہم سبق تھے کیونکہ انہوں نے کافی عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ پڑھا ہے۔

دوسرا رشتہ

ہمارا دوسرا رشتہ ان سے یہ ہے کہ ہم ایک علاقے کے رہنے والے ہیں، وہ بھی دیوبند کے رہنے والے تھے اور میں بھی دیوبند کا باشندہ ہوں۔

عظیم باپ کے عظیم فرزند

ہمارا تیسرا رشتہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم باپ کے ایک عظیم فرزند تھے۔ ان کے والد ماجد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجے کے ولی اللہ اور صاحبِ نسبت بزرگ ہیں۔ علماء دیوبند اور بزرگانِ دیوبند میں ان کا ایک ممتاز مقام تھا۔ ان کے صاحبزادے ہونے کی نسبت سے بھی ہمارا ان سے گہرا تعلق ہے کیونکہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ہمارے براہ راست استاد نہیں ہیں لیکن ہمارے اساتذہ کے طبقہ کے بزرگ ہیں۔

چنانچہ ہم نے ہمیشہ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسے ادب واحترام کرتے دیکھا جیسے ایک شاگرد اپنے ایک عظیم استاد کا ادب و احترام کرتا ہے۔

تحریکِ پاکستان اور بزرگانِ دیوبند کی آراء

جب پورے ہندوستان میں ''تحریکِ پاکستان'' چل رہی تھی تو آپ کو معلوم

ہے کہ اس میں بزرگانِ دیوبند میں کچھ رائے کا اختلاف ہوا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ ''پاکستان بننا چاہیے، مسلمانوں کی الگ حکومت ہونی چاہیے اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ اس طرح شریک نہیں ہونا چاہیے کہ تحریک میں وہ بالادست ہوں اور مسلمان زیردست ہوں، وہ اکثریت میں ہوں اور مسلمان اقلیت میں ہوں۔''

اور جبکہ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ:

''تحریک پاکستان کے سرکردہ لوگ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان کو ساتھ ملا کر اگر تحریکِ پاکستان چلائی جائے گی تو پاکستان بنانے کے مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔ اس لیے ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے آزادی حاصل کی جائے اور مخلوط حکومت قائم کی جائے۔''

یہ دونوں رائے ہمارے بزرگوں کی تھیں، ایک جانب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے زیر نگرانی حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات تھے۔

دوسری جانب شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے دیگر رفقاء تھے۔

حامیان تحریکِ پاکستان کا دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونا

اختلافات کا دور تھا، ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ دور دیکھا ہے، جب پاکستان بنا اور ہم ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اس وقت ہماری عمر کا بارہواں سال چل رہا تھا۔ ساری تحریک پاکستان ہمارے سامنے تھی۔ میں دارالعلوم دیوبند میں حفظ کرتا تھا۔ عین اس اختلافات کے دور میں جبکہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دیگر رفقاء کار جو تحریکِ پاکستان چلا رہے تھے، وہ سب دارالعلوم دیوبند سے

مستعفی ہو چکے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تا کہ دارالعلوم دیوبند سے دو متضاد فتاویٰ جاری نہ ہوسکیں۔ دارالعلوم جو سب کی مشترکہ متاع ہے اس کی عزت و مقام میں کمی نہ آئے۔ تو اس لیے یہ حضرات دارالعلوم سے مستعفی ہو چکے تھے اور بڑے زور و شور سے تحریک پاکستان چلا رہے تھے اور حضرت شیخ العرب رحمۃ اللہ اور ان کے دیگر رفقاء حسبِ سابق دارالعلوم دیوبند میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

انہی اختلافات کے زمانے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزی حکومت نے گرفتار کرلیا تھا۔ پھر کافی عرصہ بعد جب وہ رہا ہو کر آئے تو میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا۔ مجھے آج تک حضرت کے دستِ مبارک کا گداز یاد آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، تو یہ ہمارا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تیسرا رشتہ تھا کہ وہ ایک عظیم باپ کے بیٹے اور وہ باپ بھی کیسا عظیم جو ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ کے اساتذہ کے درجے کے تھے۔

چوتھا رشتہ

ہمارا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے چوتھا رشتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ کی صفات کو صحیح معنی میں امین بنایا تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دو خصوصی صفات

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات یوں تو بہت ہیں۔ علمی و عملی کمالات، زہد، تقویٰ ورع بہت سی صفات کے حامل تھے لیکن خاص طور سے دو صفتیں ان

میں بہت نمایاں تھیں۔ ایک انتہا درجے "تواضع" اور دوسری انتہا درجے کی جفاکشی اور اعلیٰ درجے کی ریاضتیں اور مجاہدے۔

تواضع اور خدمتِ استاذ کی مثال

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے خود حضرت مدنی کی تواضع اور جفاکشی کے واقعات سنے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیوبند میں حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بچپن سے ہی بہت صحبت ملی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رمضان المبارک میں نفلوں میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا۔ ہمارے والد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شریک ہوتے تھے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد رشید تھے تو ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ہم بھی خدمت کی غرض سے حاضر تھے میں نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص سر پر بڑا سا مٹکا اٹھائے چلا آرہا ہے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں حالانکہ یہ اس وقت کا زمانہ ہے جب وہ "شیخ العرب و العجم" تھے۔ یہ خدمت یہ فدائیت اور جانثاریت ان کا طرہ امتیاز تھی۔

"مالٹا" کی جیل اور خدمتِ استاذ

ایک اور واقعہ سنا کہ عالمگیر تحریک "تحریک ریشمی رومال" جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے چلائی تھی۔ جس کا طویل واقعہ ہے۔ راز کھل گیا اور انگریزوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے مالٹا بھیجنے کا فیصلہ کیا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ جزیرہ مالٹا میں چلے گئے۔ ان حضرات کو نظر بند کیا گیا۔ سردیوں کا موسم تھا، پانی ٹھنڈا ہوتا تھا گرم کرنے کا کوئی انتظام بھی نہیں تھا اور ویسے بھی قیدیوں کے لیے کہاں انتظام ہوتا ہے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کو وضو کرانے کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر

اپنے لحاف میں لے کر لیٹ جاتے تاکہ لحاف اور جسم کی گرمائش سے پانی کی ٹھنڈک کم ہو جائے اور شیخ کے وضو کے لیے گرم پانی میسر آسکے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی کا واقعہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کافی مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس دور میں فلش سسٹم تو ہوتا نہیں تھا۔ کھڈی کے بیت الخلاء ہوتے تھے اور ان کی صبح وشام صفائی ہوتی تھی۔ رات کے وقت معلوم ہوا ان میں بدبو اور گندگی پیدا ہوگئی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر کچھ پریشانی کے اثرات ظاہر ہوئے اور بولے بھی نہیں۔ گویا سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جائے؟ اسی مجلس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ وہ اٹھ کر چلے گئے کچھ دیر بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بالکل صاف ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف کر دیئے تھے۔ اس تواضع، للّٰہیت اور فنائیت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا تھا۔

اختلاف رائے اور راہِ اعتدال

عین اسی زمانے میں جب تحریک پاکستان کے حقوق میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فتوے جاری ہو رہے تھے کہ علماء اور مسلمانوں کو اس تحریک کی مدد کر کے اس میں حصہ لینا چاہیے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے بالکل برعکس بات کہی جارہی تھی لیکن اس شدید اختلاف میں بھی آپ ان بزرگانِ دیوبند کی عظمت کو دیکھیے بالکل اسی زمانے میں جمعیت علماء ہند کے سرکردہ علماء حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حافظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرات تحریکِ پاکستان کو مناسب نہیں سمجھتے تھے ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اس سلسلے میں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ کے پاس جانا چاہیے اور ان سے ان اختلافات کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیے۔ اب دیکھیے کہ اختلافات اپنی جگہ پر ہیں اور ان حضرات کی باہمی تعظیم وتکریم

اپنی جگہ پر ہے چنانچہ ان حضرات نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اب ہوا یوں کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک خاص نظام تھا جو ان کے پاس آتا تھا وہ چند دن پہلے اطلاع کر دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے حسب معمول کھانے اور رہائش کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ اب حضرات آنے سے قبل تھانہ بھون اطلاع نہ کر سکے اب جب یہ حضرات تھانہ بھون پہنچے تو عشاء کے بعد کا وقت ہو چکا تھا اور خانقاہ اندر سے بند ہو چکی تھی اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے گھر جا کر سو چکے تھے۔ تھانہ بھون کی بستی ایک چھوٹا سا قصبہ تھی۔ بجلی بھی وہاں نہیں پہنچی تھی۔ سڑکیں بھی کچی تھیں اور کہیں کہیں اینٹوں کی سڑک بنی ہوئی تھی۔

اب ان حضرات کی عظمت کا اندازہ لگائیے کہ نہ خانقاہ کھلوائی اور نہ ہی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی بلکہ وہیں خانقاہ کے دروازے کے سامنے کچی سڑک پر اپنی چادریں بچھا کر لیٹ گئے۔ کیسے کیسے بزرگ اکابرین ہیں، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمت اللہ علیہ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ''قصص القرآن'' کتاب کے مصنف۔ سب حضرات رات بھر وہیں لیٹے رہے۔ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے مطابق اذان کے وقت یا اذان سے پہلے خانقاہ تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں ٹارچ تھی، جلائی تو معلوم ہوا کہ یہ تو علماء ہیں۔ ان حضرات کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ یہ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت مفتی کفایت اللہ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہیں۔ فوراً بغل گیر ہو گئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ حضرات نے یہ غضب کر دیا۔ آپ یہاں کیوں لیٹ گئے۔ فرمایا کہ حضرت ہمیں آپ کی خانقاہ کے قانون معلوم تھے۔ ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس وقت رات دس بجے کے بعد خانقاہ کھلوائیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا گھر تو موجود تھا۔

مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ فرمایا کہ ہم آپ کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے چنانچہ پھر آپس میں مشورہ ہوا۔ اختلاف اپنی جگہ پر رہا وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور یہ اپنی رائے پر قائم رہے۔

''سید القوم خادمہم کے مصداق

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ سنایا کہ ہم ایک دفعہ حضرت مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ریلوے اسٹیشن پہنچنے پر حضرت نے فرمایا کہ ہمیں سنت کے مطابق اپنا ایک اور امیر مقرر کر لینا چاہیے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت والا ہمارے امیر مقرر ہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ کوئی تکلف نہیں فرمایا۔ جب ریل گاڑی آئی تو حضرت خود سب کا سامان اٹھا اٹھا کر رکھنے لگے۔ کسی کا سامان ہاتھوں میں، کسی کا سامان کندھوں پر، کسی کا سامان سر پر اٹھا رہے ہیں اور کسی کو ہاتھ بھی لگانے نہیں دے رہے۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ دیکھو اطاعت الامیر واجب ہے، مجھے سامان اٹھانے دو چنانچہ سارا سامان حضرت نے خود اٹھا اٹھا کر ریل میں رکھا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ کا باہمی تعلق

ہمارے بزرگ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی اور حضرت مدنی رحمہما اللہ کی باہمی خط و کتابت چھاپی ہے اور اسی طرح سے جو واقعات اور ملاقاتیں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان وقوع پذیر ہوئیں۔ ان کو بھی طبع کروایا ہے۔ ان کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ سب حضرات اختلافات کے باوجود ایک دوسرے پر کیسے فدا تھے؟ اور کیسے ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے......؟

آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوجائیں

اسی طرح بیعت کے سلسلے میں دیکھ لیجیے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بعض لوگوں کو خود بیعت کرلیتے تھے اور بسا اوقات فرماتے کہ تم جاکر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوجاؤ۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحبؒ سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوجائیں۔ عرض کیا کہ: مجھے آپ سے مناسبت ہے۔ فرمایا: تم انہی سے بیعت کرو اور اگر کوئی مشورہ وغیرہ کرنا ہو تو مجھ سے کرلیا کرو۔ چنانچہ ان کے سلسلے میں دونوں حضرات کے آپس میں مشورے ہوتے رہتے تھے۔

ہمارے اکابر گروپ بندیوں سے بالاتر ہیں

یہ ہمارے بزرگوں کے واقعات ہیں، حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے یہ واقعات دوبارہ تازہ ہوگئے ہیں اور ان کو پھیلانے کی ضرورت بھی ہے کیونکہ ہمارے پاکستان میں دو لفظ ''بڑے گندے'' استعمال ہونے لگے ہیں۔ بالخصوص ہمارے مدارس ایک ''تھانوی گروپ''۔ دوسرا ''مدنی گروپ'' یہ اتنے گندے اور بدبودار الفاظ ہیں کہ جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ ایسے ہی گندے اور نازیبا الفاظ ہیں کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا ایک انصاری اور مہاجر کا جھگڑا ہوگیا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لیے انصار کو بلایا ''یا للانصار'' اے انصار میری مدد کرو اور مہاجر نے اپنی مدد کے لیے مہاجرین کو بلایا ''یاللمهاجرین'' اے مہاجرین میری مدد کو آؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنا تو فرمایا ''**دعُوھا فانّھا ممتنه**'' یہ کلمات چھوڑ دو اس لیے کہ یہ بدبودار کلمات ہیں۔ ان کے اندر زمانۂ جاہلیت کی اور تعصّبات کی بدبو پائی جاتی ہے، اب سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اسی طریقے سے یہ تھانویؒ گروپ اور مدنیؒ گروپ کے کلمات بھی ہیں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی یہ الفاظ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس استعمال کرتا تو وہ دونوں حضرات اس کو اپنے پاس سے نکال دیتے کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے، اس لیے کہ یہ دونوں بزرگ تو ایک دوسرے پر جانیں نچھاور کرنے والے تھے۔ ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کرنے والے تھے، ایک دوسرے کو سر آنکھوں پر بٹھانے والے تھے، ان کے ہاں یہ گروپ بندیاں نہیں تھیں وہ حضرات ان گروپ بندیوں کو نہیں جانتے تھے۔

یاد رکھئے! میں آپ سے کہہ رہا ہوں، ان لفظوں کو کبھی بھی استعمال ہونے نہ دیا جائے۔ یہ ہمارے بزرگوں کی توہین ہے کیونکہ یہ حضرات ان گروپ بندیوں سے بالاتر تھے۔ ہم تو ان حضرات کے تقویٰ، عظمت اور ورع کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔......!

میرے رفیقِ سفر

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارا ایک رشتہ یہ بھی ہے کہ ہمارا اور ان کا اچھا خاصہ سفر ایک ساتھ ہوا ہے۔ ایک غیر ملکی سفر میں ہم ایک ساتھ اکٹھے رہے ہیں۔ تقریباً آٹھ گھنٹے کا سفر تھا۔ یہ ''بغداد'' کا واقعہ ہے کہ ہم ایک ساتھ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور صبح کے وقت ان کا معمول بھی گھومنے کا تھا اور میرا معمول بھی ہے تو بساء اوقات ہم ساتھ گھومنے جایا کرتے تھے۔ الحمدللہ ہمارا ان کے ساتھ قلبی اور قریبی تعلق تھا۔ وہ دارالعلوم تشریف لایا کرتے تھے بارہا ان سے ملاقات ہوئی۔ جب ہمارا دارالعلوم دیوبند جانا ہوا تو وہاں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے بھائی مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم ہم سے کچھ عرصہ عمر میں چھوٹے ہیں اور ہم سے ایک دو سال بعد فارغ ہوئے ہیں۔ ہجرت پاکستان کے تقریباً ۱۳ سال بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دارالعلوم دیوبند جانا ہوا تو وہاں ان سے ملاقات ہوئی تو وہ اس وقت غالباً موقوف علیہ یا

دورہ حدیث کے سالمیں تھے۔ ہم لڑکپن میں ایک ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ایک کنارے پر کھیلتے رہے ہیں۔

یہ ہمارے ان حضرات سے گوناں گوں رشتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا اسعد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے عظیم والد کی صفات کے امین

حضرت مولانا اسعد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی اللہ تعالیٰ نے تواضع اور مجاہدہ کی صفات خوب عطا فرمائی تھیں اور اپنے والد ماجد (رحمۃ اللہ علیہ) کی صفات میں سے بالخصوص ان دو صفات میں سے حصہ وافر اور کثیر عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے مسلمانانِ اسلام خصوصاً ہندوستان کی بہت خدمت کی ہے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان ہندوستانی مسلمانوں میں ہوتا ہے جو حضرات بین الاقوامی مسائل کے حل میں پیش پیش رہے ہیں۔

ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ

میری آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کا اور ایصال ثواب کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے البتہ اجتماعی طور پر قرآن خوانی تداعی کے ساتھ درست نہیں۔ اس بارے میں ہمارے بزرگوں کا فتویٰ ہے کہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے اور اس کے بدعت ہونے کا قوی امکان اور خطرہ ہے۔ اس لیے یہاں دارالعلوم میں تداعی کے ساتھ قرآن خوانی نہیں کی جاتی اس لیے ہر ایک کو اپنے اپنے طور پر جس قدر ہو سکے ایصال ثواب کرنا چاہیے اور ایصال ثواب کے علاوہ کسی میت کی طرف سے مالی صدقہ کے ثواب میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آج نہیں کر سکے تو کل بھی نہ کریں بلکہ جب بھی یاد آئیں کچھ نہ کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں اور کچھ نہیں ہو سکتا تو تین دفعہ "سورۂ اخلاص" پڑھ کر ایصالِ ثواب کر

دیجئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا ثواب پورے قرآن مجید کے ثواب کے برابر مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے متعلقین اور وارثین کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆......☆......☆

دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت

موضوع: دینی مدارس کے لئے آزمائش کا وقت

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامعہ دارالعلوم کراچی

موقعہ: ختم بخاری شریف

ضبط وترتیب: مولانا شعیب سرور

دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

اما بعد!

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

"وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ."

بزرگان محترم، حضراتِ علماءِ کرام، عزیز طلبہ، ہونہار طالبات و معلمات!

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا انعام وکرم ہے کہ آج ہمارے تعلیمی سال کا بخیر وخوبی اختتام بخاری شریف کی آخری حدیث کے درس پر ہورہا ہے۔ آج ۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ کے اجلاس کے بعد طلبہ امتحان کی تیاری میں مشغول ہوجائیں گے۔ پھر امتحان کے بعد وہ کڑا وقت آئے گا جب یہ طلبہ بھیگی پلکوں بلکہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ ہم سے جدا ہو رہے ہوں گے۔

ان جدا ہونے والے طلبہ میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو بالکل بچپن ہی میں یہاں آئے تھے، قرآن مجید بھی یہاں حفظ کیا اور اب درس نظامی کی تکمیل کے بعد واپس

جا رہے ہوں گے، کچھ طلبہ دس سال بعد، کچھ بارہ سال بعد اور کچھ چودہ پندرہ سال بعد ہم سے جدا ہو رہے ہوں گے۔

رخصت کے وقت ان طلبہ پر اس مادر علمی کی جدائی اور ان مشفق اساتذہ سے فراق کا کیا اثر ہوتا ہے، اس کا اندازہ اللہ رب العالمین اور ان اساتذہ وطلبہ کے علاوہ کوئی بھی پوری طرح نہیں لگا سکتا۔ اللہ رب العالمین نے دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے درمیان محبت کا جو لذیذ اور مستحکم رشتہ رکھا ہے۔ اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کو یہ رشتہ نصیب ہوا ہے۔

غیر ملکی طلبہ:

آج ہمارے دل جہاں اس بات پر خوشیوں سے لبریز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیمی سال کا یہ پر مشقت، کٹھن سفر خیر وخوبی کے ساتھ پورا کروا دیا ہے، وہیں یہ المناک اور پریشان کن احساس دل کو زخمی کر رہا ہے کہ شاید اس تعلیمی سال کے اختتام کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سارے غیر ملکی طلبہ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ہم سے جدا ہو جائیں گے جو بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے وطن کو چھوڑ کر اور گھر کے آرام و راحت کو تج کر برسوں سے یہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے، پاسپورٹ بھی ان کے پاس ہیں، ویزے بھی اور این اوسی بھی ملا ہوا ہے، مگر ان کا جرم یہ ہے کہ یہاں یہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان میں بہت سے طلبہ ایسے ہیں جو آٹھ آٹھ، دس دس سال سے گھر نہیں گئے۔ ان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ سالانہ دو مہینے کی تعطیلات میں اپنے ماں باپ سے جا کر مل سکیں اور انہیں یہ خدشہ بھی ہوتا تھا کہ اگر چلے جائیں گے تو پھر نجانے واپسی میں ان کو ویزا مل سکے گا یا نہیں؟۔ ان طلبہ کی جدائی کے تصور سے دل چھلنی ہو رہا ہے کہ یہ اپنی تعلیم کو نامکمل چھوڑ کر شاید رخصت ہو جائیں گے اور ہم بھی دل پر پتھر رکھ کر ان کو رخصت کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ان غیر ملکی طلبہ کو پاکستان کے دینی مدارس سے جو دینی اور علمی فوائد حاصل ہو رہے تھے، وہ تو اپنی جگہ پر ہیں ہی' ان طلبہ کی وجہ سے خود پاکستان کو بھی پوری دنیا میں یہ اعزاز نصیب ہوتا تھا کہ یہ مفت کے سفیر بن کر پاکستان کی عالمی ساکھ میں اضافہ کرتے اور پاکستان کی بہترین نمائندگی کرتے تھے، لیکن یہ سلسلہ بظاہر اب رکتا نظر آرہا ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

اب یہ اعزاز بھی چھینا جارہا ہے:

اللہ کے فضل وکرم سے ہمیں بہت سارے اعزازت حاصل تھے، پاکستان دنیا کا سب سے بڑا مسلمان ملک تھا، عالم اسلام کے اتحاد کا نقیب تھا، جوہری توانائی کا امین تھا، اور ایک اعزاز یہ ہمارے غیر ملکی طلبہ تھے جو باہر ممالک میں ہماری نیک نامی کا باعث بنتے تھے، لیکن ہماری شامت اعمال کہ ایک ایک کر کے یہ اعزازات ہم سے چھن گئے۔

۱۹۷۱ء میں اس ملک کے دو ٹکڑے ہوگئے، جس کی وجہ سے یہ عالم اسلام کا سب سے بڑا ملک نہ رہا' پاکستان عالم اسلام کے اتحاد کا نقیب تھا، پاکستان دو قومی نظریئے پر بنا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ دنیا کے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، لیکن آج ہماری روش یہ کہہ رہی ہے کہ عالم اسلام سے آنکھیں بند کرلو، خود غرض بن جاؤ، کنویں کے مینڈک بن جاؤ اور صرف اپنی خبر لو اور ترکی کی طرح اپنے ہی اندر گم ہو جاؤ۔

پاکستان جوہری توانائی کا امین تھا لیکن مؤمنانہ جذبات رکھنے والے جن مسلم سائنسدانوں نے دن رات ایک کر کے پاکستان کو ایٹمی توانائی سے مضبوط کر کے عالم اسلام کو اعزاز بخشا، ان کو ٹی وی پر لاکر پوری دنیا کے سامنے ذلیل کیا گیا۔ اس طرح یہ سارے اعزازات ہم سے چھن گئے۔

اب مدارس کے غیر ملکی طلبہ کی صورت میں ایک اعزاز باقی رہ گیا تھا، یہ اعزاز بھی ہم سے چھینا جارہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو پاکستان کے کسی

اعزاز سے دلچسپی نہیں، وہ ایک ایک کر کے ہمارے سارے اعزازات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتے جارہے ہیں، اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت کے ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جنوبی افریقہ میں دینی انقلاب:

ابھی میں افریقہ کے کچھ ممالک سے ہو کر آیا ہوں، میں اب سے ۳۹ سال پہلے ۱۹۶۶ء میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ گیا تھا، اس وقت وہاں کی مذہبی حالت یہ تھی کہ پورے ملک میں صرف چار علماء تھے، کوئی مدرسہ نہیں تھا، حافظ قرآن کوئی شاذ و نادر ہوتا تھا اور نماز پڑھانے والے امام قرآن کریم صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے، تبلیغی جماعت کا کوئی تصور نہیں تھا، کفر و شرک پھیلا ہوا تھا، فسق و فجور کا دور دورہ تھا، علماء کرام بھی اپنی عورتوں کو برقعہ نہیں پہنا سکتے تھے، داڑھی رکھنے والے شاذ و نادر تھے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں اپنے بیانات میں جگہ جگہ لوگوں کو تلقین فرمائی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ بیٹے دیئے ہیں، وہ اپنے ایک بیٹے کو پاکستان یا ہندوستان کے دینی مدارس میں علم حاصل کرنے کے لیے بھیجے تاکہ یہ بچے علم دین کے زیور سے آراستہ ہو کر یہاں دینی مدارس قائم کریں۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد بھی میرا وہاں جانا ہوتا رہا، ہر مرتبہ دینی ترقی نظر آئی اور اب اس سفر میں تو میں نے دیکھا کہ وہاں دینی انقلاب انہی دینی مدارس کے غیر ملکی طلبہ کا مرہون منت ہے، وہاں کے لوگوں نے اپنے چہیتے بچوں کو یہاں بھیجا۔ یہ علم حاصل کر کے وہاں پہنچے، دینی مدارس قائم کیے تبلیغی جماعت کا کام بھی شروع ہوا۔ اب وہاں کی مذہبی ترقی کا یہ عالم ہے کہ وہاں مسجدیں آباد ہیں، بلکہ مساجد کا نظام دنیا میں سب سے بہتر وہاں پایا جاتا ہے۔ وہاں کوئی مسلمان ایسا نہیں ملے گا خواہ

مزدور ہو یا صنعت کار، ڈاکٹر ہو یا انجینئر، جو کم از کم ناظرہ قرآن مجید پڑھا ہوا نہ ہو۔ سو فیصد مسلمان ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں جبکہ پاکستان میں ۵۰ فیصد بھی ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں۔ حالیہ سفر میں، میں وہاں ایک ہفتہ رہا، اس عرصے میں مجھے کوئی مسلمان بغیر داڑھی کے نہیں ملا۔ جلسوں میں بھی جانا ہوا، بازاروں میں بھی اور مختلف اداروں میں بھی گئے۔ لیکن کہیں بھی کوئی مسلمان بغیر داڑھی کے نہیں ملا۔ اور داڑھی بھی پوری سنت کے مطابق تھی، کوئی عورت پردہ کے بغیر نظر نہیں آئی۔ اگرچہ وہ عورتیں چہرہ مکمل طور پر نہیں چھپاتیں لیکن اتنا برقعہ ضرور ہوتا ہے کہ سر کا کوئی بال نظر نہیں آتا، گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا اور کلائی اور پنڈلی کا بھی کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ ڈربن شہر کے ایک محلے میں جانا ہوا، وہاں سرسری طور پر حفاظ کی تعداد گنی گئی تو معلوم ہوا کہ اس محلے میں چالیس حفاظ قرآن ہیں۔

لمحہ فکریہ:

البتہ ایک تبدیلی آئی ہے، وہ یہ کہ پہلے وہاں پاکستان کے پڑھے ہوئے علماء کی بھی کثرت تھی، لیکن اب وہاں پاکستان کے فارغ التحصیل علماء کی کثرت نظر نہیں آئی، یہی حال ہم نے کینیڈا، امریکہ اور برطانیہ میں بھی دیکھا کہ اب وہاں پاکستان سے تعلیم حاصل کرنے والے علماء کم نظر آتے ہیں کیونکہ ہماری حکومتوں کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں اور ویزا کی بے جا پریشانیوں کی وجہ سے ہمارے ہاں غیر ملکی طلبہ کی تعداد مسلسل کم ہوتی جارہی ہے۔

اور چند روز قبل تو حکومت کی طرف سے یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ مدارس کے تمام غیر ملکی طلبہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں، بلکہ شروع میں تو یہ آرڈر آ گیا تھا کہ دس دن کے اندر اندر یہ طلبہ واپس چلے جائیں۔ یہاں مجرم رہ سکتے ہیں، چور اور ڈاکو رہ سکتے ہیں،

دہشت گرد رہ سکتے ہیں، لیکن وہ مسکین طلبہ جنہوں نے اپنی زندگیاں دین اور دینی تعلیم کیلئے وقف کر رکھی ہیں، ان پر زندگی حرام کی جارہی ہے۔ ان کا جرم یہ ہے کہ یہ قال اللّٰہ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کے لیے آگئے ہیں۔

دینی مدارس کے خلاف شوروغوغا:

دینی مدارس کے ان بے گناہ طلبہ کی طرف دہشت گردی کی نسبت کی جاتی ہے، مغربی میڈیا ان کے خلاف زہر اگل رہا ہے اور سرکاری میڈیا بھی ان کا ہم نوا ہے، دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے قرار دینے کے لیے اور ''مولوی'' کا لفظ گالی بنانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ ہر دہشت گردی کے واقعے کے ساتھ دینی مدارس کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن امریکہ کی ایف بی آئی، پاکستان کی آئی ایس آئی، انٹیلی جنس ادارے اور میڈیا کے ادارے بتلائیں کہ انہیں دنیا میں دینی مدارس کا کوئی طالب علم کہیں دہشت گردی میں ملوث ملا ہے؟ امریکہ میں جو واقعہ پیش آیا، اس میں کوئی دینی مدرسے کا پڑھا ہوا طالب علم نہیں تھا، وہ سیکولر تعلیمی اداروں میں پڑھے ہوئے لوگ تھے۔ برطانیہ کے واقعے میں بھی کسی دینی مدرسے کے طلبہ نہیں تھے، وہ بھی سیکولر اداروں کے تعلیم یافتہ تھے اور پاکستان میں بھی دہشت گردی کے جتنے واقعات پیش آئے ہیں، ان میں بھی سرکاری تعلیمی اداروں کے لوگ تھے۔ پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے والے کون تھے؟ وہ دینی مدرسوں کے علماء نہیں تھے، وہ سرکاری کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے لوگ تھے، پرلے درجے کے مجرم ہیں وہ لوگ جنہوں نے غداری کر کے پاکستان کے دو ٹکڑے کیے لیکن ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی اور جنہوں نے قال اللّٰہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جانیں وقف کر رکھی ہیں، ان کا جینا حرام کیا جارہا ہے۔

دین کو مٹایا نہیں جاسکتا:

یہ المناک صورتحال ہے لیکن یاد رکھیئے! دین ان ہتھکنڈوں سے ختم نہیں ہوسکتا۔ یہ دین قیامت تک رہنے کے لیے آیا ہے، یہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا جائے گا۔ آپ نے جنوبی افریقہ کا حال سن لیا، اگر پاکستان میں غیر ملکی طلبہ کے آنے پر پابندی لگائی گئی تو جنوبی افریقہ میں اللہ کے فضل سے بڑے معیاری دار العلوم قائم ہو چکے ہیں جو ہندو پاکستان ہی کے فیض یافتہ ہیں اور اب وہاں معیاری دارالافتاء قائم ہو رہے ہیں وہاں یہ طلبہ دینی علم کی پیاس بجھا سکیں گے اور اگر وہاں پابندیاں لگاؤ گے تو کہیں اور جا کر یہ اپنا کام جاری رکھیں گے۔ ان کے کام کو مٹایا نہیں جاسکتا۔

روس نے ان کو مٹانے کے لیے بہتر سال تک کون سا ہتھکنڈا استعمال نہیں کیا۔ قرآن کریم کی اشاعت پر پابندی لگائی گئی، داڑھیاں مونڈ دی گئیں، مسجدوں کو اصطبل میں تبدیل کر دیا گیا، اور نماز کو جرم قرار دیا گیا، مجھے ازبکستان (تاشقند) میں ایک صاحب ملے انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ اذان دیدی تھی جس کی وجہ سے مجھے چھ سال جیل میں رہنا پڑا۔

غرضیکہ روس نے اپنے دور میں دین کو مٹانے کے لیے ہر طرح کی کوششیں کیں، لیکن ۷۲ سال بعد جب اس کا تسلط ختم ہوا تو گھروں سے حفاظ قرآن بھی نکل آئے اور قاری بھی علماء بھی مل گئے اور عربی بولنے والے بھی۔ بھائی! تم کہاں سے آ گئے؟ تمہیں تو روس نے فنا کر ڈالا تھا اور خندقوں میں چونا ڈال کر تمہیں زندہ درگور کر دیا تھا، سائبیریا کے قبرستانوں میں موت کی نیند سلا دیا تھا، اب تم کہاں سے آ گئے؟ انہوں نے بتایا کہ دن بھر ہم سے مشقت لی جاتی تھی، ہم کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے تھے لیکن رات کو چھپ چھپ کر حجروں کے اندر قرآن و حدیث سیکھتے تھے۔

روس جو اس وقت سپر پاور تھا وہ اپنی ۷۲ سالہ ان تھک کوششوں کے باوجود علم

دین کو مٹانے میں کامیاب نہ ہوسکا تو اب کون ہے جو اسے مٹا سکے گا، اس دین کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے لیکن یہ دین زندہ رہے گا۔ مدارس کے غیر ملکی طلبہ کو نکالنے والے یہ یاد رکھیں کہ ان پر ان معصوم طلبہ کا صبر پڑے گا، جب یہ غیر ملکی طلبہ مایوس ہوکر اور اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر یہاں سے جائیں گے تو خطرہ ہے کہ ان کے منہ سے کہیں بددعا نہ نکل جائے، یہ مظلوم ہیں اور حدیث میں ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو، مظلوم کی بد دعا کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ لہٰذا حکمرانوں کو چاہیے کہ اپنے اوپر رحم کریں اور ان مظلوموں کی بد دعاؤں سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے اور انہیں اپنے اوپر رحم کرنے کی توفیق دے ورنہ ان کے لیے دردناک صورتحال کا اندیشہ ہے۔

مدارس میں اعلیٰ عصری تعلیم:

مدرسوں پر ایک طعنہ یہ ہے کہ یہاں دنیاوی علوم نہیں پڑھائے جاتے، ان مدرسوں سے ڈاکٹر، انجینئر اور ماہر قانون کیوں تیار نہیں کیے جاتے۔ یہ کیسا عجیب اعتراض ہے؟ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ انجینئرنگ کے طالب علم کو ڈاکٹر بنایا جائے، قانون پڑھنے والے کو کامرس کا ماہر بنایا جائے اور میڈیکل کے طالب علم کو قانون کا ماہر بنایا جائے، جب وہاں ایسا سوال نہیں اٹھایا جاتا تو یہ بے ہودہ اعتراض ہم پر کیوں کیا جاتا ہے؟

جہاں تک بنیادی عصری تعلیم کی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر آج کل آدمی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا تو اس کا ہمیں بھی انکار نہیں بلکہ یہ عصری مضامین ہمارے ہاں پڑھائے بھی جاتے ہیں، چنانچہ ہمارے ہاں کسی کو اس وقت تک درس نظامی میں داخلہ نہیں ملتا جب تک اس میں میٹرک کی استعداد پیدا نہ ہو جائے، اور

جن مدارس میں کم از کم مڈل کا پاس کرنا لازمی ہے۔ اب وفاق المدارس نے ان پر لازم کر دیا ہے کہ وہ بھی عصری مضامین میں میٹرک تک کی استعداد کے بغیر درس نظامی میں داخلہ نہ دیں۔

میٹرک کے بعد ہر علم وفن کا یہی قاعدہ ہے کہ جو جس علم وفن میں اور جس شعبے میں مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے اس شعبے میں چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی انجینئر بننا چاہتا ہے تو وہ انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرتا ہے، ڈاکٹر بننے کا خواہشمند میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتا ہے، کچھ طلبہ کامرس کالجز میں جا کر کامرس کے علوم پڑھتے ہیں، اب اگر کسی شخص کو ان تمام علوم میں مہارت پیدا کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو یہ پاگل پن کے سوا کیا ہوگا؟ کیونکہ اس طرح تو وہ کسی بھی کام کا نہیں رہے گا، یہی حال دینی علوم کا ہے کہ جو شخص دینی علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو دینی مدارس میں جا کر علم حاصل کریگا اگر آپ اس سے یہ توقع رکھیں کہ ماہر عالم دین بننے کے ساتھ وہ ڈاکٹر یا انجینئر بھی بنے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اسے کارآمد انسان نہیں بنانا چاہتے۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پڑھتا تھا تو اس وقت میں نے یہ نیت کی تھی کہ تعلیم سے فارغ ہو کر دینی کام تو بلا معاوضہ کروں گا اور اپنے معاش کے لیے کوئی ہنر سیکھ لوں گا۔ چنانچہ میں نے تین علم سیکھے۔ طب یونانی پڑھی، خطاطی سیکھی، جلد بندی کا کام سیکھا، لیکن جب عملی میدان میں کام کرنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ دین کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ پھر یہ کام نہیں ہو سکتے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک کسی میدان میں ماہر نہیں بنتا جب تک اس میں اپنی پوری زندگی نہ لگائے۔ کوئی ڈاکٹر اگر یہ کہے کہ میں اپنے روزگار کے لیے تو تجارت کروں گا اور فارغ وقت میں کلینک چلاؤں گا تو یہ شخص کبھی بھی ماہر ڈاکٹر نہیں بنے گا۔ یہی حال ہر علم وفن کا ہے۔

بعض مرتبہ دینی مدارس اور علماء سے محبت رکھنے والے مسلمان بھائی بھی مدارس

کو بڑی خیر خواہی سے یہ مشورہ دیا کرتے ہیں کہ آپ مدرسے کے اندر کوئی صنعتکاری کا شعبہ بھی قائم کردیں تا کہ طلبہ صنعت کاری سیکھ لیں اور ان کے معاش کا سامان ہو۔ وہ یہ بات کہتے تو ہمدردی سے ہیں لیکن ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کو کارخانے میں لگا دیا تو پھر سولہ سال میں ہم نے جو کچھ ان کو پڑھایا، وہ سب بیکار چلا جائے گا۔ ہم نے انہیں اسی لیے پڑھایا ہے کہ دینی خدمات انجام دینے کے علاوہ کوئی کام نہ کریں۔ اسلامی علوم اتنے وسیع اور گہرے ہیں کہ جب تک آدمی اپنی پوری زندگی ان کے اندر نہ لگائے، اس وقت تک ان کے اندر مہارت پیدا نہیں ہوسکتی۔

سرکاری تعلیمی اداروں کا حال

ایک مرتبہ میں ایک اعلیٰ سرکاری کنونشن میں تھا تو وہاں صدر صاحب کہنے لگے کہ آپ کے دینی مدارس میں دنیاوی علوم کیوں نہیں پڑھائے جاتے۔ میں نے کہا کہ آپ کی بات بہت اچھی ہے کہ مدرسوں میں عصری علوم پڑھانے چاہئیں، ہمیں ان سے ہرگز انکار نہیں، بلکہ ہم تو میٹرک تک یہ علوم پڑھاتے بھی ہیں لیکن اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ضروری دینی تعلیم بھی ہونی چاہیے۔ جو وہاں تقریباً مفقود ہے۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے وطن عزیز کے سرکاری تعلیمی اداروں میں نہ دنیا پڑھائی جارہی ہے نہ دین پڑھایا جارہا ہے۔ ان اداروں میں استاذ کا کوئی احترام نہیں ہے، طالبات اور معلمات کی عزت محفوظ نہیں۔ ایک یونیورسٹی کا حال تو یہ ہے کہ اس میں سالہا سال سے رینجرز کے کیمپ لگے ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ ہم وفاقی سطح کی ایک میٹنگ میں تھے، جس میں وزیر داخلہ، وزیر مذہبی امور اور وزیر تعلیم شامل تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا ارادہ دینی مدارس میں کسی

مداخلت کا نہیں ہے، ہم تو صرف اصلاح کے لیے چند اقدامات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا آپ کی نیت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزاءِ خیر دے اور بلاشبہ مدارس کو بھی اصلاح کی ضرورت ہے اور ہم اصلاح کے طالب بھی ہیں لیکن آپ کا کام تو بہت زیادہ ہے، آپ کے پاس اس وقت لاکھوں اسکول اور تعلیمی ادارے ہیں ان پر پاکستانی خزانے کا اربوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اگر آپ انکی اصلاح کر کے ہمیں پیش کش کرتے تو ہم آپ کو خوش آمدید کہتے، لیکن وہاں کا حال میں آپ کو بتاتا ہوں شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ میں نے اپنے نواسے کا واقعہ ذکر کیا کہ دارالعلوم میں میٹرک کے عصری علوم پڑھنے کے بعد کسی سرکاری اسکول میں امتحان دینے کے لیے گیا جو ان کا امتحانی مرکز تھا۔ واپس آ کر اس نے مجھے کہا کہ ابی! وہ کیسا اسکول تھا، وہاں بیٹھنے کیلئے دری، نہ لکھنے کے لیے تپائی، پینے کے لیے پانی نہ ہوا کے لیے پنکھا۔ البتہ ایک چیز وافر مقدار میں دستیاب تھی، وہ تھے پرچہ سوالات کے جوابات۔ کمرہ امتحان میں ۲۵، ۲۵ روپے میں جوابات فروخت ہو رہے تھے۔ یہ سن کر ایک وزیر بولے کہ ہمارے ہاں تو ایسا نہیں ہوتا۔ ان وزیر صاحب نے وزیر تعلیم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ کیا آپ کے سرکاری اسکولوں کا یہی حال ہے تو انہوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا البتہ سر ہلا کر ''ہاں'' کا اشارہ کیا۔

ہماری سرکاری تعلیمی اسناد کا حال یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کی سندیں پوری دنیا میں کہیں قابل قبول نہیں ہیں، یورپ و امریکہ میں جا کر دیکھئے یا کسی پسماندہ ملک کا دورہ کیجئے، آپ یہی دیکھیں گے کہ کسی بھی ملک میں ہماری تعلیمی یونیورسٹی کی سندیں قابل قبول نہیں ہیں۔

اب سے پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ سندھ کے ایک گورنر صاحب نے جو پورے صوبے کی تمام یونیورسٹیوں کے چانسلر تھے، دکھے دل کے ساتھ مجھ سے خود کہا

کہ پوری دنیا میں ہماری کسی یونیورسٹی کی کوئی سند قابل قبول نہیں ہوتی ہے، سوائے اردن کے۔ صرف اردن میں ہماری سندیں قبول کی جاتی ہیں۔

پچھلے سال اردن میں میں نے بھی دیکھا کہ ہماری یونیورسٹیوں کے ڈگری یافتہ لوگ وہاں کام کر رہے ہیں وہ پاکستان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور اسی لیے وہاں ابھی تک پاکستانیوں کی عزت ہے۔ ابھی جب میں جنوبی افریقہ سے آرہا تھا تو جہاز میں میرے ساتھ دبئی سے ایک صاحب سوار ہوئے، وہ بھی اردن سے آرہے تھے۔ انہوں نے بھی ازخود مجھ سے یہی بات کہی اور بتایا کہ اردن میں پاکستان کے ڈگری یافتہ عرب حضرات مجھے بڑی تعداد میں ملے، اور دکھی دل سے کہنے لگے کہ اردن کے علاوہ ہمیں اور کہیں عزت نہیں ملتی۔ یہ حال ہے ہماری یونیورسٹیوں کے تعلیمی معیار کا۔

اس لیے ہم اپنی سرکاری مشینری سے دردمندانہ گزارش کرتے ہیں کہ براہ کرم اپنے زیر انتظام اداروں کی خبر لو اور ان کی اصلاح کی فکر کرو کہ وہاں تعلیم و تربیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ امن و امان باقی نہیں رہا، طلبہ اور اساتذہ کے درمیان رشتہ اوراعتماد باقی نہیں رہا، تمہاری سندیں بے وقعت ہو رہی ہیں، اگر تم ہماری اصلاح کر کے ہمارا وہی حال کرنا چاہتے ہو جو اس وقت سرکاری تعلیمی اداروں کا ہے تو:

بی بلی، چوہا لنڈورا ہی بھلا۔

طلبہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں نہ رہیں:

اب میں اپنے طلبہ سے دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

غیر ملکی طلبہ سے یہ عرض کروں گا کہ اللہ جل جلالہ سے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو تعمیری سوچ بھی دے اور ایمان کی قوت بھی، اللہ پر بھروسے کی طاقت بھی دے اور انہیں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن اگر ہمارے حکمران غلط فیصلے پر مصر رہے تو میں دکھے دل کے ساتھ آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ غیر قانونی

طور پر پاکستان میں نہ رہیں۔ اللہ کے بھروسے پر یہاں سے رخصت ہو جائیں، دنیا بہت وسیع ہے۔ زخمی دل کے ساتھ کہوں گا کہ اگر آپ کے مقدر میں یہاں علم حاصل کرنا نہیں ہے تو آپ برطانیہ و امریکہ چلے جائیں، یا کینیڈا و افریقہ چلے جائیں، وہاں ہمارے شاگردوں کے قائم کردہ مدارس موجود ہیں۔ انشاء اللہ وہ تمہیں دھکے نہیں دیں گے اور کہیں نہیں تو ہندوستان چلے جانا وہاں بھی دینی مدارس موجود ہیں۔ وہاں کی حکومت تم کو ویزا دیدے گی۔ اگر ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں تمہاری دینی تعلیم مقدر نہیں تو کفرستانوں کے اندر تمہیں دینی تعلیم مل جائے گی، وہاں حاصل کر لینا، اپنے اس مشن کو نہ چھوڑنا، اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اور اللہ کے سامنے گواہ رہنا کہ تمہیں قانونی طور پر یہاں رکھنے کے لیے جو کوشش ہمارے بس میں تھی ہم نے اس میں کمی نہیں کی۔

اخلاص اور تقویٰ کو اپنا زیور بنائیں:

دوسری بات جو سب طلبہ سے کہنے کی ہے، وہ آپ سے کہہ رہا ہوں اور دنیا کو دیکھ کر کہہ رہا ہوں اور آپ کو بھی میڈیا کے ذریعے حالات کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس وقت عالم کفر کے بدترین دشمن تم ہو، تم ان کا سب سے پہلا ہدف ہو اور شاید پاکستان کے اندر تمہارے اوپر ایسا وقت آ گیا ہے جو مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آیا تھا، وہ وقت قربانیوں اور صبر کا تھا، اس سبق کو یاد رکھنا۔ صبر کے ساتھ، انہماک کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو۔ تقویٰ اور اخلاص کو اپنا زیور بناؤ۔ اگر تمہارے اندر تقویٰ اور اخلاص ہوگا تو اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ:

دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکے گی، تمہارے مشن کو ناکام نہیں کر سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جانیں چلی جائیں اور جان کس کی نہیں جاتی، موت تو سب کو آنی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا یہ مشن جاری و ساری رہے گا، اسے کوئی نہیں روک سکے گا۔ اگر خدانخواستہ کوئی ناکامی پیش آئی تو ان دو چیزوں میں کمی کی وجہ

سے آئیگی۔ لیکن اگر یہ دو چیزیں (اخلاص و تقویٰ) ہمارے اندر موجود ہیں تو پھر ہم کامیاب و کامران رہیں گے۔ قرآن حکیم کا وعدہ ہے کہ:

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''تم ہی سربلند رہو گے اگر صحیح معنی میں مومن رہے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر ہماری رہنمائی و دستگیری فرمائے اور ان دینی مدارس کا حامی و ناصر ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

آزاد قبائل سے خصوصی تعلق

موضوع: آزاد قبائل سے خصوصی تعلق

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: باجوڑ ایجنسی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

﴿آزاد قبائل سے خصوصی تعلق﴾

﴿الحمد للّٰه نحمده ونستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرورنا انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلامضل له و من يضلل فلاهادى له و نشهد ان لا اله الا اللّٰه ونشهد ان محمد اعبده و رسوله﴾

حضرات علماء کرام، بزرگان محترم، محترم اساتذہ اور ہونہار طلباء!

اگرچہ صوبہ سرحد میں اور اس کے بعض آزاد قبائل میں پہلے بھی آنا ہوا ہے مگر ''باجوڑ'' میں آنے کا اتفاق پہلی بار ہوا ہے۔ جب سے میں یہاں آیا ہوں اس وقت سے میرے جذبات کی جو کیفیت ہے اور جو غیر معمولی مسرت اور سرور مجھے محسوس ہے وہ ناقابل بیان ہے۔

خصوصی تعلق کی وجوہات

ان جذبات اور غیر معمولی مسرت کی بہت ساری وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ آزاد قبائل کے لازوال مجاہدانہ کارنامے

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جب سے ہم نے دیوبند میں آنکھ کھولی ہے، میری ولادت دیوبند میں ہوئی ہے اور میرا وطن ''دیوبند'' ہے میں نے ناظرہ قرآن کریم بھی دارالعلوم

دیو بند میں ہی پڑھا تھا۔ اور نصف قرآن کریم بھی وہیں حفظ کیا تھا اور جب ہم ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اس وقت میری عمر ۱۲ سال تھی۔ تو ہم نے جب سے دارالعلوم دیو بند میں آنکھ کھولی تو جو لوگ سب سے زیادہ نظر آتے تھے وہ حضرات کوئٹہ، مردان، سوات، دیر، چترال، ایبٹ آباد، بالا کوٹ اور صوبہ سرحد کے دیگر علاقوں کے ہوتے تھے۔ ہم پاکستان بننے سے پہلے بھی یہاں کے لوگوں کے جرات مندانہ واقعات سنا کرتے تھے کہ ان آزاد قبائل نے کیسے ڈٹ کر انگریز کا مقابلہ کیا اسے اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا اور پورے ایمانی جذبے سے انگریز کا مقابلہ کر کے اس کے دانت کھٹے کر ڈالے پھر جب پاکستان بنا تو جہاد کشمیر کا آغاز ہوا تو اس میں بھی آزاد قبائل کے لوگ پیش پیش تھے۔ انہوں نے جہاد کے ذریعے سے کشمیر میں بارامولہ تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا اور چونکہ سری نگر کی بجلی کا پاور ہاوس بارہ مولہ میں تھا تو یہ سری نگر کو تاریک کر کے اس پر بھی قبضہ کرنے والے تھے لیکن بین الاقوامی سازشوں نے اور پاکستانی فوج کے بعض اعلیٰ عہدیداروں نے..........

لیکن میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت میں ان آزاد قبائل کے مجاہدین نے کشمیری بھائیوں کے ساتھ مل کر کشمیر کا جتنا علاقہ آزاد کرا لیا تھا اس کے بعد سے ہم آج تک ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔

الحمد للہ ان کارناموں کی وجہ سے مجھے ان آزاد قبائل سے بچپن سے جذباتی لگاؤ اور محبت ہے۔

جہاد کشمیر میں مجاہدین کی بہادری

کشمیر کے جہاد کے دوران وہاں کے ایک عالم دین شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ جہاد کشمیر

کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ آپ بھی کبھی وہاں چلیں اور دیکھیں کہ جب انڈیا کے طیارے بمباری کرنے آتے ہیں اور ہم اپنی فائر گنوں سے فائر کر کے جہاز کو گراتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رگ وریشے سے لا الہ الا اللہ نکل رہا ہے۔ اور ہمارے روئیں روئیں سے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہم بھی جہاد کشمیر میں شریک ہوں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کے ایمان افروز حالات دیکھیں۔

آزاد قبائل کا دیگر تحریکات میں نمایاں کردار

جب ہم ذرا بڑے ہوئے اور حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل رحمہما اللہ کی تحریک کے حالات پڑھے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس تحریک میں بھی یہ علاقہ سب سے آگے آگے تھا۔ اسی طریقے سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحریک جو ریشمی رومال'' کی تحریک کے نام سے مشہور ہیں اس میں ان قبائل کا بڑا بنیادی کردار تھا۔ اور جب روسیوں کے خلاف جہاد میں پاکستان اور افغانستان کے مسلمان ڈٹ گئے تھے اس موقع پر بھی پاکستان کی طرف سے سب سے زیادہ جنہوں نے اپنا حصہ ڈالا وہ یہی ہمارے آزاد قبائل تھے۔ پھر انہوں نے روس جیسی طاقت کو ناکوں چنے چبوائے حتی کہ اس کو نہایت ذلیل وخوار ہو کر افغانستان سے جانا پڑا۔ اور پھر جب طالبان کا دور آیا تو اس میں بھی یہاں کے علماء نے طلبہ نے اور مسلمان عوام نے بڑھ چڑھ کر ان کے ساتھ تعاون کیا اور ان حضرات نے دوش بدوش لڑ کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

یہ سب وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے میرا ان علاقوں سے اور یہاں کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق اور جذباتی لگاؤ ہے۔

خصوصی تعلق کی دوسری وجہ: تعلیم و تعلم کا مقدس رشتہ

ہمارے اس باہمی تعلق کی دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جب دارالعلوم کراچی میں درس نظامی کی تعلیم کا آغاز کیا تھا تو اس وقت بھی ہمارے سب سے زیادہ ساتھی صوبہ سرحد ہی کے تھے، اور پھر جب ہم نے آج سے تقریباً چھیالیس، سنتالیس سال پہلے سن ٦١ء میں تدریس شروع کی تو اس وقت سے ہمارے سب سے زیادہ شاگرد اسی علاقے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم یہاں آکر اپنے ان بھائیوں اور ساتھیوں سے ملتے ہیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہم دارالعلوم کراچی آگئے ہیں۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ "مدینۃ العلوم" بھی دارالعلوم ہی کا فیض ہے اور مجھے یہاں آکر وہی خوشی ہو رہی ہے جو خوشی مجھے دارالعلوم کراچی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے بیٹوں نے یہاں جو قال اللہ اور قال الرسول کا مقدس سلسلہ جاری کیا ہوا ہے یہ ہماری تمناؤں کے عین مطابق ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے جن بیٹوں نے دن رات محنت کر کے یہ سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے یہ ہمارے لئے صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات بنے گا۔

وطنِ عزیز کا بازو وشمشیر زن

یہاں کا علاقہ پاکستان کا بازوؤ شمشیر زن ہے۔ ہمیں اس علاقے کے مسلمانوں پر، یہاں کے مجاہدین اسلام پر اور یہاں کی اسلام پر مر مٹنے والی عوام پر فخر ہے۔ ہم جب ان کو دیکھتے ہیں تو ہمارے جسم کے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور ہمارے دل میں جذبہ جہاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس علاقے میں یہ بات دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ یہاں کے عوام علماء سے جڑے ہوئے اور مربوط ہیں اور علماء کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ علماء کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی بہت خیر و برکات ہوتی ہیں۔

اسی بات کی خیر و برکت ہے کہ یہاں غربت وافلاس دیکھنے کو نہیں ملتی یہاں

ایسی بدامنی اور بے چینی نظر نہیں آتی جیسی بدامنی اور بے چینی دوسرے علاقوں میں ہے۔ یہاں کا امن وامان دیکھ کر وہ سب واقعات غلط ثابت ہو جاتے ہیں جو لوگوں نے یہاں کے حضرات کے متعلق مشہور کر رکھے ہیں کہ یہاں کے لوگ ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں ان کے ہاں قتل کرنا معمولی بات سمجھا جاتا ہے اوران کے ہاں کسی کو مارنا ایسا ہی ہے جیسے مکھی یا مچھر کو مارنا یہ لوگ بے وقوف ہوتے ہیں ناشائستہ ہوتے ہیں تہذیب سے دور ہوتے ہیں پھر لوگوں نے طرح طرح کے لطیفے بھی مشہور کر رکھے ہیں۔

دینی مدارس کا فیض

مجھے یہاں آکر اور یہاں کے حالات دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ قصے اور یہ باتیں ہمارے دشمنوں نے مشہور کر رکھی ہیں کیونکہ مجھے یہاں آکر شہروں سے زیادہ تہذیب وشائستگی نظر آئی ہے۔ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ مہذب اور شائستہ ہیں۔ان کے مکانات صاف ستھرے، اور گندگی سے پاک ہیں یہاں امن وامان ہے آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی پائی جاتی ہے۔

یہ ساری برکت ان دینی مدارس اوران کے علماء کی ہے اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے علم وعمل میں مزید ترقی عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں کے حضرات کو حفاظت دین کی جو توفیق عطا فرمائی ہے اس میں مزید اضافہ فرمائے۔(آمین)

علم دین کی اہمیت وفضیلت

یہ مدارس درحقیقت اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں اور ہمارے دشمنوں کو یہ بات بہت دیر سے معلوم ہوئی ہے اگر ان کو یہ بات پہلے سے معلوم ہو جاتی تو شاید یہ بہت پہلے سے دینی مدارس کے خلاف کاروائی شروع کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی طاقت کا اصل سرچشمہ یہی مدرسے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ ہے کہ یہ مدرسے اس دین

کے علم کی حفاظت کر رہے ہیں اور جس دین کا علم ختم ہو جائے وہ دین بھی فنا ہو جایا کرتا ہے اور جس دین کا علم باقی ہو تو وہ دین بھی محفوظ رہتا ہے۔

آج دنیا میں کوئی مذہب یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کا علم پوری طرح محفوظ ہے۔ یہ دعویٰ صرف ایک دین کرسکتا ہے اور وہ دین اسلام ہے کیونکہ اس دین کی اصل کتاب جو قرآن مجید ہے وہ لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف محفوظ ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث طیبہ جو اسلامی شریعت کی بنیاد ہیں وہ بھی جوں کی توں محفوظ ہیں۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ

ان احادیث طیبہ کی حفاظت کی ایک صورت کتب احادیث ہیں اور ان کتب احادیث میں سے ایک کتاب ''بخاری شریف'' ہے الحمدللہ آج ہمیں جس کے اختتام کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ کتاب جو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حیرت ناک کارنامہ ہے اس کتاب میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سات لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تقریباً چار ہزار سے کچھ زائد احادیث جمع کی ہیں۔

اور اللہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو حیرت انگیز حافظہ اور جو مثالی اخلاص دیا تھا اس کی برکت ہے کہ ان کی یہ کتاب آج پوری دنیا میں ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' شمار کی جاتی ہے۔

بخاری شریف کا عرب علماء کے ہاں مقام

ہمارا بیرون ممالک میں جانا ہوتا رہتا ہے اور وہاں عرب علماء سے بھی ملاقاتیں ہوتی ہیں تو ان کے ہاں عام علماء کا انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ عجمی علماء کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور ان کی بات کو توجہ سے سنتے ہی نہیں ہیں کہ انکے پاس کیا علم ہوگا مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی عجمی ہیں اور بخارا کے رہنے والے ہیں اور عربی زبان میں کوئی بڑے ادیب نہیں

ہیں مگر انہوں نے جن روایات اوراحادیث کواپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے میں ان میں سے کوئی حدیث پڑھ کر کہہ دوں کہ ''رواہ البخاری'' یعنی امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے تو یہ سن کر بڑے بڑے عرب علماء کی گردنیں بھی جھک جاتی ہیں تو گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث کواپنی کتاب ''بخاری شریف'' میں جمع کر دیا تو یہی ان کے صحیح ہونے کے لئے حرف آخر سمجھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم یہ ہے کہ آج ہمارے طلبہ کو یہ عظیم الشان کتاب مکمل کرنیکی توفیق مل رہی ہے۔

تین بنیادی کام: تعلیم وتعلم ؛ تبلیغ ؛ جہاد

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ''لن یصلح اخر هذا الامة الا بما صلح به اولها اس قوم کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی طریقے سے ہوگی کہ جس طریقے سے اس امت کے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی۔

چنانچہ ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے عمومی اور اجتماعی حالات کی اصلاح وترقی کے لئے جو بنیادی کام شروع کیے گئے وہ تین تھے۔ پہلا کام تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا تھا۔ دوسرا کام دعوت تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام تھا، اور جبکہ تیسرا کام جہاد تھا۔

تعلیم وتعلم کا کام تو پہلے دن سے ہی شروع ہوگیا تھا حضرت جبرائیل امین علیہ السلام پہلی وحی ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ'' کی صورت میں لائے تھے۔

دوسرے کام کا آغاز تقریباً ڈھائی سال کے بعد ہوااور جبکہ تیسرے کام کا آغاز تیرہ سال بعد شروع ہوا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تینوں کام جاری فرمائے، اور ان کو ہمیشہ رکھنے کی ہدایات دیں اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی یہ تینوں کام جاری تھے، پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تابعین کرام، تبع تابعین اور امت کے اسلاف و اکابر رحمھم اللہ نے جاری رکھا اور آج تک جاری وساری ہے۔

افضل ترین کام: تعلیم وتعلم

اب ان تینوں کاموں کے فضائل بھی بے حد وحساب ہیں حتی کہ اگر تعلیم وتعلم کے فضائل پڑھیں تو جی چاہتا ہے کہ اس میں مشغول رہنا چاہیے دعوت وتبلیغ کے فضائل سنیں تو دل چاہتا ہے کہ یہی کام کرنا چاہیے اور اگر جہاد کے فضائل سنیں تو تمنا ہوتی ہے کہ ساری زندگی جہاد ہی کرتے رہیں۔

لیکن قرآن کریم کے تمام احکامات پورے ذخیرہ احادیث اور سیرت طیبہ کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے اہمیت وفضیلت کے اعتبار سے تعلیم وتعلم کا پہلا درجہ ہے اور دعوت وتبلیغ کا دوسرا اور جہاد کا تیسرا درجہ ہے۔

دین کی بقا علم دین سے ہے!

علم دین کے افضل ترین کام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دین کی بقاء ہی علم دین سے ہے۔ مثلاً اگر علم دین نہیں ہے تو تبلیغ کیسے کریں گے؟ اور کس چیز کی کریں گے؟ اور اسی طرح سے جہاد بھی اگر علم کے بغیر ہوگا تو وہ فساد فی الارض بن جائے گا۔ کیونکہ ہمیں علم کی روشنی سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے کچھ قوانین وضوابط ہیں جنکا پابند ہو کر مجاہد کو جہاد کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مجاہدین علماء کی طرف رجوع کریں اور علماء سے پوچھ پوچھ

کر جہاد کریں اور خوب سمجھ لیجئے کہ اگر مجاہدین علماء سے راہنمائی حاصل کر کے جہاد نہیں کریں گے تو کبھی سیدھے راستے پر نہیں چل سکیں گے اور انکی ساری محنت نہ صرف یہ کہ بیکار چلی جائے گی بلکہ اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں ان امور کی وجہ سے دینی مدارس کی اہمیت تمام دینی اداروں سے بڑھ کر ہے۔

دینی مدارس اور مسلمانوں کی ذمہ داری

اب چونکہ دینی مدارس دین کے اہم ترین ادارے ہیں اس لئے انکی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر میں یہاں کے تمام مسلمانوں سے درخواست کروں گا کہ حسب سابق ان مدرسوں سے جڑے رہیں اور اپنے بچوں اور خواتین کو بھی ان مدرسوں سے جوڑے رکھیں تا کہ یہ سلسلہ نسل در نسل جاری رہ سکے۔ اور اس میں کمی نہ آنے پائے۔

یاد رکھئے! اگر یہ دینی مدارس کمزور ہو جائیں گے تو دین کمزور ہو جائے گا اس لئے ان مدارس کی حفاظت آپ کی بڑی اہم اور فضیلت والی ذمہ داری ہے۔

انگریزوں کی مسلمانوں اور دینی مدارس کے خلاف سازشیں

انگریزوں نے مسلمانوں کی ایک ہزار سال سے زائد قائم رہنے والی حکومت کا خاتمہ کر کے ہندوستان پر زبردستی اپنا قبضہ جما لیا تو پھر انہوں نے مسلمانوں کے دین وایمان کو چھیننے کے لئے مختلف حربے استعمال کیے اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں بالخصوص اہل دین پر حملے کیے۔

پہلا طریقہ: عیسائی مبلغین کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ

انگریز نے ان مقاصد کے لئے پہلا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اپنی تبلیغی مشنری بھیجی چنانچہ یہاں ان کے تبلیغی مشنری آئی اور انہوں نے لوگوں کو مال ودولت کا لالچ دے کر اپنے مذہب عیسائیت کی طرف دعوت دینا شروع

کی۔

جب انہوں نے ہندوؤں کو رام کر لیا اور ہندوؤں نے انگریز کی حکومت کو قبول کر لیا تھا حالانکہ ہندوؤں کی اکثریت تھی تو ہندوؤں کے دب جانے کے بعد انہوں نے کچھ ہندوؤں کو کھڑا کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دو۔ تو انگریزوں کے عیسائی مشنریوں اور ہندوؤں کے ذریعے مسلمانوں کے دین وایمان کو چھیننے کے لئے یہ پہلا حربہ استعمال کیا۔

دوسرا حربہ: فارسی زبان ختم کر کے انگریزی کا نفاذ

دوسرا بڑا خطرناک کام انگریز نے یہ کیا کہ فارسی زبان جو اس وقت کی سرکاری اور دفتری زبان تھی اس کو ختم کرا کے انگریزی زبان کو قومی زبان کی حیثیت سے رائج کیا اور اس انگریزی زبان سے انکا مقصد یہ تھا کہ دینی مدرسوں میں پڑھنے والے لوگ جو کہ فارسی زبان جانتے تھے وہ سرکاری اور دفتری ملازمتوں میں نہ آسکیں اور صرف وہی لوگ آگے آئیں جو انکے سکولوں کے پڑھے ہوئے ہوں اور انہوں نے سکولوں میں بھی دینی تعلیم کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ انگریزوں کی ذہنی غلامی پیدا کرنے والا نصاب شامل کر دیا تھا تا کہ جو مسلمان سکولوں میں داخلہ لیں وہ بھی انگریز کے ذہنی طور پر غلام بن جائیں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

انگریز نے ان دو بڑے طریقوں سے مسلمانوں کے دین وایمان پر حملہ کیا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حربے اس مقصد کے لئے استعمال کیے۔ تو ان حالات میں شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کا دین وایمان محفوظ نہیں رہے گا اور مسلمان اس کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ اس خطرے کو بھانپ کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ نے دیوبند کی بستی میں جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس میں

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ اور پھر اس مدرسے میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسے اللہ والے جمع ہوگئے کہ جن میں سے ایک ایک فرد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نمونہ تھا۔ پھر ان حضرات نے دینی تعلیم کا انتظام کر کے درس وتدریس کا آغاز کیا اور اس دارالعلوم دیوبند میں ایسے علماء تیار کیے جو ماہر اور متبحر ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار بھی تھے اور بزرگوں اور اللہ والوں کے تربیت یافتہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند کا سنہری دور

میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی اس سال انکی ولادت ہوئی پھر وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ہم سبق بھی تھے اور دونوں حضرات نے دورہ ایک ساتھ کیا تھا۔

تو ہمارے دادا فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور بھی دیکھا ہے کہ جب دارالعلوم کے صدر مدرس سے لے کر ایک چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔''

تو اس وقت دارالعلوم دیوبند کا سارا ماحول اولیاء اللہ کے زیر اثر تھا۔ انسان ان بزرگوں کے حالات سنانے لگ جائے تو دل پگھل جائیں مگر انکے حالات ختم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو جیسی صلاحتیں اور جیسا بلند اخلاق دیا تھا اس کی مثالیں ملنا مشکل ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کا عالم

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ کے اخلاص کا کیا عالم تھا

اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ دارالعلوم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کانپور میں جا کر مدرسہ شروع کیا۔ کانپور میں کچھ اہل بدعت بھی تھے لیکن اس وقت کے اہل بدعت آجکل کے اہل بدعت کی طرح متشدد نہیں تھے۔ ان کے ہاں معقولات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی اور قرآن وسنت کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ علماء دیوبند معقولات کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس خیال سے کانپور میں بیان کے لئے دعوت دی کہ جب اہل بدعت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان سنیں گے تو یہ لوگ بھی علماء دیوبند سے مانوس ہو جائیں گے۔ اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے بزرگ معقولات کے ایسے زبردست ماہر ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور جب بیان شروع فرمایا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معقولات ومنقولات کے علوم ومعارف کے دریا بہا دیئے۔ مجمع پر سناٹا طاری ہوا تھا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بڑے انشراح قلب کے ساتھ جاری تھا کہ اتنے میں اہل بدعت کے بڑے اور مشہور علماء بھی آگئے اور آ کر سٹیج کے قریب بیٹھ گئے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ ان پر پڑی تو خاموش ہو گئے۔ حالانکہ ابھی جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا اور آدھا جملہ باقی تھا۔ لوگ سمجھے کہ حضرت کو کوئی تکلیف لاحق ہو گئی ہے اور کسی نے پانی دیا کسی نے پنکھا جھلا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بھی پریشان ہو گئے اور پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ نے بیان کرنا چھوڑ دیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''بیان نہیں ہوگا'' حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت اب تو بیان کرنے کا وقت آیا تھا تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ ''ہاں یہی بات میرے دل میں بھی آگئی تھی'' کہ پہلے بیان اللہ تعالیٰ کے لیے تھا مگر جب یہ لوگ آئے دل میں خیال آیا کہ اب ان کو بھی پتہ چل جائے

گا کہ ہمارا بیان کیسا ہوتا ہے اور ہمارے پاس بھی کیسا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی تو سمجھ آ گیا کہ پہلے بیان اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور اب اگر بیان کیا تو یہ دکھلاوا ہوگا۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کو چھوڑنے کی وجہ:

یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک یہودی نے تاجدار دوعالم، سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گالی دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود امیر المومنین تھے اور پھر بہادر تھے فاتح خیبر تھے تو انہوں نے فوراً اس یہودی کو زمین پر پٹخا اور خنجر نکال کر وار کرنے ہی والے تھے کہ اس یہود نے ان کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر کیلئے کچھ سوچا اور پھر خنجر ہٹا کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اب یہودی بھی حیران ہے کہ میری تو جان جارہی تھی اور دیکھنے والے بھی حیران تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ کو کیوں چھوڑ دیا۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ:

پہلے میں اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور شریعت کی تابعداری میں قتل کر رہا تھا کیونکہ شریعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے والے کی سزا، سزائے موت ہے لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے اور زیادہ غصہ آیا اور دل نے چاہا کہ جلدی سے اس کو قتل کردوں۔ مگر فوراً اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور خیال آ گیا کہ اگر اب میں اس کو قتل کروں گا تو یہ خالص اللہ کے لیے قتل نہیں ہوگا بلکہ اپنے نفس کے لیے بھی قتل ہوگا۔

یہودی نے جب یہ بات سنی تو فوراً اسلام لے آیا کہ جس نبی کے غلاموں کا یہ مرتبہ ہو کہ ان کو اپنے نفس پر اتنا قابو ہے تو اس نبی کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ تو ہمارے بزرگ تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے تھے۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بلند اخلاقی اور احساس ہمدردی کا حیرت انگیز واقعہ:

حضرت مولانا اصغر علی حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے ممتاز بزرگ اور استاد تھے جو ہمارے دادا کے شاگرد تھے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ وہ بہت بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ سارے بزرگ ان کی عزت کیا کرتے تھے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے پاس کثرت سے جایا کرتے تھے۔ ہم بھی اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلے جایا کرتے تھے لیکن ہمارے جانے کی ایک وجہ تو یہ ہوتی تھی کہ ان کے پاس کوئی بچہ جاتا تھا تو وہ اس کو مٹھائی دیتے تھے تو ہم جب ان کے پاس جاتے تھے تو وہ ہمیں بھی مٹھائی دیتے تھے۔

میں نے ان کے بارے میں ایک واقعہ سنا تھا کہ ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت اپنے گھر جارہے تھے ان کے گھر کے راستے میں ایک گلی پڑتی تھی۔ اس گلی کو پار کرکے کچھ آگے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا گھر تھا۔ تو جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس گلی میں پہنچے تو آپ نے اپنے جوتے اتار لیے اور ننگے پاؤں چلنے لگے اور جب گلی پار کرلی تو جوتے دوبارہ پہن لیے اور گھر چلے گئے۔

جب ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے اس گلی میں جوتے کیوں اتار دیئے تھے تو فرمایا کہ بس اتار لیے تھے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ آخر بتایئے کیا بات ہے تو کہنے لگے کہ:

"دیکھو اس گلی میں ایک گھر ہے اس میں ایک پیشہ ور فاحشہ عورت رہتی ہے جب وہ جوان تھی تو اس کے پاس بہت گاہک آتے تھے لیکن اب وہ بوڑھی ہوگئی تو اس

کے پاس کوئی گاہک نہیں آتا۔ اب اگر میں جوتے پہن کر گلی سے گزروں گا تو جوتوں کی آواز کو سن کر اس کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ کوئی گاہک آرہا ہے اور اس کو امید لگ جائے گی لیکن جب میں گزر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا تو میں کیوں اللہ کی ایک بندی کا دل توڑوں۔ اسی واسطے میں اس گلی سے جوتے اتار کر گزرتا ہوں۔''

جب حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فاحشہ کے ساتھ اخلاق کا یہ عالم ہے تو ان کا عام مسلمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوگا؟

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونہ تھے

یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کو زندہ کیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں خود سنت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ تھیں۔ تو ان علماء دیوبند نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو اپنایا تو ایک ایک بزرگ تقویٰ اور ورع میں' اخلاص میں' فنائیت اور للّٰہیت میں اور تواضع و انکساری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا نمونہ ہوگیا۔ ان حضرات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو تو کچل ہی ڈالا تھا اور اپنے نفس کو بالکل مار دیا تھا۔

اختلاف رائے میں اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے:

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات میں اگر کبھی اختلاف رائے ہوا بھی تو ان لوگوں نے اس کو اپنے وقار کا مسئلہ نہیں بنایا کیونکہ ان کا اختلاف نفس کے لیے نہیں تھا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ تو ایسا اختلاف ممنوع اور مضر نہیں ہے۔

اب اختلاف ہونے کی وجہ کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہر فن کی طرح اسلامی فقہ میں بھی ماہرین فن کا اختلاف ہوا ہے جیسے کہ انجینئرنگ میں انجینئروں کا، سائنس میں سائنسدانوں کا کسی مریض کے مرض کے بارے میں ڈاکٹروں کا، اور کسی قانونی مسئلہ میں قانون دانوں اور عدالتوں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بھی کوئی ایسا مسئلہ جو

کہ نص قطعی اور واضح دلیل سے ثابت نہ ہو اور اس میں ماہرین فقہ غور و فکر کریں تو اس میں اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ و قانون میں بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف ہوا ہے۔

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''جس مسئلہ کے بارے میں قرآن کریم اور حدیث متواتر میں کوئی واضح حکم نہیں آیا ہے تو اس میں دو رائے ہو سکتی ہیں اور اجمال کی وجہ سے اختلاف رائے اور دو احتمال ہو سکتے ہیں۔''

پس اختلاف رائے فی نفسہ کوئی بری بات نہیں ہے جبکہ ماہرین فن میں ہو لیکن اس اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کے بارے میں بدگمانی کرنا یا بدزبانی کرنا حرام اور ناجائز ہے اور اس اختلاف رائے کو اپنی انا اور عزت و وقار کا مسئلہ بنا کر علیحدہ گروہ، نیا فرقہ، علیحدہ جماعت بندی کرنا امت میں انتشار پیدا کرنا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اختلاف رحمت ہے اور امت میں تفریق پیدا کرنا (رحمت) نہیں ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف حق و اعتدال پر مبنی تھا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلاف ہوا مگر انہوں نے اختلاف کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور اسی وجہ سے ان کا باہمی اختلاف دشمنیوں کا سبب نہیں بنا۔ مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنگ صفین لڑی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہم مقابل تھے لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کی عزت و احترام میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا کیوں کہ دونوں حضرات رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے واسطے مدمقابل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ صفین سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے ساتھیوں نے پوچھا کہ کل جنگ میں ہم مارے گئے تو ہمارا کیا حکم ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم شہید ہو گے۔ پھر پوچھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی مارے گئے تو ان کا کیا حکم ہوگا۔ فرمایا وہ بھی شہید ہوں گے۔

اور یہی سوال جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے حامیوں نے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اگر تم لوگ مارے گئے تو تم بھی شہید اور اگر تمہارے ہاتھوں وہ لوگ مارے گئے تو وہ بھی شہید ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف حقانیت کی دلیل:

وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات دلائل شرعیہ کی بناء پر لڑ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دلائل کی وجہ سے ڈٹے ہوئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دلائل کی وجہ سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اب اس بات کی دلیل کہ یہ حضرات محض اللہ تعالیٰ کے لیے اور دلائل شرعیہ کی وجہ سے لڑ رہے تھے یہ ہے کہ:

دوران جنگ قیصر روم ''ہرقل'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا جس میں اشارہ تھا کہ وہ آپ کی نصرت کرنا چاہتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''ہرقل'' کو تاریخی دھمکی:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہرقل کے اس ارادے کا پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک خط لکھا جس میں ہرقل روم سے کہا گیا تھا کہ:

''اگر تو نے اپنے ارادے کو پورا کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھ! میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے ان سے مل جاؤں گا اور ان کے لشکر میں ان کا سپاہی بن کر شامل ہو جاؤں گا اور تجھ پر حملہ آور ہو جاؤں گا اور لشکر اسلام کا وہ پہلا سپاہی جو تیری گردن کو گاجر کی طرح کاٹے گا وہ معاویہ ہوگا۔''

یاد رکھ اگر تو نے اپنے ارادے کو ترک نہ کیا تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل کر تجھ پر لشکر کشی کروں گا اور تیرے دارالحکومت قسطنطنیہ کو جلا کر کوئلہ بنا دوں گا اور تو خنزیروں کا چرواہا بن کر ریوڑ چراتا پھرے گا اور در در ذلیل وخوار ہوگا۔''

دیکھئے اگر یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوتی بلکہ آپس کے بغض وعناد اور دشمنی

وعداوت کی بنا پر ہوتی تو فریق مخالف کو نقصان پہنچانے کا اس سے اچھا موقعہ اور کیا ہوسکتا تھا کہ عیسائی قوت کو ساتھ ملا سکتے تھے مگر اس کے باوجود انتہائی سخت جواب دے کر ہرقل کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

علماء دیوبند اختلاف رائے میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متبع تھے:

ہمارے اکابرین چونکہ ہر ہر چیز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے تھے چنانچہ اختلاف رائے میں بھی ہمارے بزرگوں کا یہی حال تھا کہ ان کا آپس میں اختلاف رائے ہوا لیکن اس اختلاف کے باوجود ان کی باہمی عزت وتکریم میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

علماء کرام سے خصوصی گزارش:

تو یہاں کے تمام علماء کرام کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے علماء دیوبند کے نام کو روشن کیا ہے۔ اور علمائے دیوبند کے نام کو روشن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کو روشن کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کو روشن کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور سنت کو روشن کرنا ہے۔

اختلاف رائے کو افتراق کا ذریعہ بنایا جائے:

یقیناً آپ حضرات نے اس سلسلے میں اپنی بھرپور کاوشوں کو بروئے کار لایا ہوگا اور انتھک محنتوں اور جدوجہد سے اس کار خیر کو سرانجام دیا ہوگا۔ بس میری آپ سے یہی گزارش ہے کہ جیسا کہ مولانا ذاکر اللہ صاحب نے بتایا کہ الحمد للہ یہاں کے علماء کرام میں بہت اتحاد ہے یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن اگر کبھی خدانخواستہ اختلاف ہو بھی جائے اور وہ شرعی حدود وقیود اور دلائل کی بنا پر ہو تو اس میں کوئی حرج اور کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن گزارش یہ ہے کہ اس اختلاف کو باہمی اختلاف ورنجش اور بدزبانی وبدگمانی کا ذریعہ

نہ بنایا جائے اور دشمنی اور گروہ بندی کا ذریعہ نہ بنایا جائے کیونکہ گروہ بندی کی شریعت میں بالکل اجازت نہیں ہے۔

امت مسلمہ میں افتراق پھیلانے کی ممانعت ہے:

شریعت مطہرہ میں حالت اضطراری میں خزیر کا گوشت کھانے، شراب پینے اور میت و مردار کھانے کی تو بقدر ضرورت اجازت دی گئی ہے لیکن امت مسلمہ میں افتراق پھیلانے کی اجازت کبھی بھی اور کسی بھی موقع پر کسی کو نہیں دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں اتحاد امت کی اہمیت:

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ کو افتراق کی ممانعت کا اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قریش نے بیت اللہ شریف کی موجودہ عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کیا تو انہوں نے خالص حلال کمائی سے اس کی تعمیر کی او جب ان کے پاس خالص حلال پیسوں کی کمائی ختم ہوگئی تو انہوں نے اس کی لمبائی اور اونچائی میں کمی کردی چنانچہ حطیم کا وہ حصہ جسے حجر بھی کہتے ہیں اس میں تقریباً چھ سات ہاتھ تک کی زمین کا حصہ دراصل بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس حصے کو قریش نے خالی چھوڑ دیا تھا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے او انکو اس عمارت اور اس کے پتھروں سے بڑی عقیدت ہے ورنہ میں اس عمارت کو گرا کر نئے سرے سے ''قواعد ابراہیمی'' پر تعمیر کردیتا لیکن اس کو گرانے میں لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی اور بعض شرپسند لوگ اس بات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ شریف کو قیامت تک کے لیے نامکمل چھوڑ دیا حالانکہ بیت اللہ شریف قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے پانچ وقت کی نمازوں اور حج اور عمرہ وغیرہ کے قبلہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی عبادات کا مرکز و محور ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے صرف اور صرف مسلمانوں کے درمیان افتراق اور اختلاف پیدا ہونے کے ڈر سے اس عظیم گھر کی تعمیر کو نامکمل چھوڑ دیا۔ چنانچہ آج تک وہ ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔

اتحاد کو کسی قیمت پر توڑا نہیں جاسکتا:

اگر ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے ہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی جاتی ہے اور معمولی باتوں پر جھگڑے کیے جاتے ہیں۔

یاد رکھیۓ! مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو کسی بھی قیمت پر توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس اتحاد کو قائم رکھنے کے واسطے بڑی سے بڑی قربانیاں دی جاسکتی ہیں لیکن اس اتحاد کو توڑا نہیں جاسکتا۔ البتہ اتنی بات ہے کہ اتحاد کے لیے حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تعلیم قرآن کریم عظیم ترین کام ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ الحمد للہ یہاں تعلیم قرآن کریم کے بہت سے مکاتب قائم ہیں اور مزید مکاتب قرآنیہ قائم کیے جارہے ہیں۔ ایک اللہ کے بندے ہیں جو اس کام میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کررہے ہیں اور جگہ جگہ مکاتب اور مساجد بنوار ہے ہیں۔ یہ بڑا عظیم بابرکت اور باعث خیر و برکت کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میں ان کے کارناموں پر جن کی تفصیل مجھے مولانا ذاکر اللہ صاحب سے معلوم ہوئی ہے ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان

کے مال و دولت ان کے علم و عمل اور ایمان و تقویٰ سب میں برکت عطا فرمائے۔

کیونکہ یہ سب سے عظیم کام ہے جس کے بارے میں فرمان ہے کہ:

﴿خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ﴾

''یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کریم پڑھے اور پڑھائے۔''

تو تعلیم قرآن سب سے عظیم کام ہے اور تعلیم قرآن میں قرآن پاک کے الفاظ سیکھنا یعنی ناظرہ اور حفظ کروانا بھی شامل ہے اور قرآن کریم کے معانی یعنی درس نظامی وغیرہ کی تعلیم دینا بھی شامل ہے۔ اس لیے جو درجہ درس نظامی کے اساتذہ کا ہے وہی درجہ حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کا بھی ہے۔

میں وہاں کراچی کے لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم لوگ کچھ تو شرم کرو۔ تم جو تنخواہ اپنے ڈرائیوروں اور چپڑاسیوں کو دیتے ہو اس سے بھی کم تنخواہ تم نے قرآن کریم پڑھانے والے اساتذہ کیلئے مقرر کر رکھی ہے۔

بچوں کو گھر میں ٹیوشن پڑھانے کے لیے کسی ٹیوٹر کو بلاتے ہیں تو اس کو فی مضمون پچاس روپے دیتے ہیں اور مولوی صاحب کو قرآن کریم پڑھانے کے لیے بلاتے ہیں تو سو پچاس روپے میں ٹرخا دیتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا قرآن کریم کی قدر و قیمت اور اہمیت نعوذ باللہ سکول و کالج میں پڑھائی جانے والی کتابوں سے بھی کم ہے۔

خدارا آپ اس سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لیجئے گا اور حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کو بھی معقول تنخواہ دیجئے گا ورنہ کل کو ان کے بچے ان سے شکایت کریں گے کہ دیکھو تم نے قرآن کریم پڑھا پڑھایا ہے لیکن تمہیں کیا ملا؟ چھوٹا سا مکان، پھٹے پرانے بوسیدہ کپڑے ہی تو ملے ہیں نہ عزت ہے نہ اچھا کھانا میسر ہے۔

لیکن فلاں شخص نے انگریزی پڑھی پڑھائی اور آج اس کے پاس عزت بھی ہے اچھا کھانا، اچھا کپڑا اور اچھا مکان سب کچھ ہے۔

تو اس طعنے سے قرآن کریم کی بے توقیری اور بے حرمتی ہوگی۔ اس لیے حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کو اتنی تنخواہ دیں کہ ان کے دل میں احساس کمتری پیدا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

☆☆☆

تَعَلِیم و تَعَلّم ایک اَہَم فَرِیضَہ

موضوع: تعلیم و تعلم ایک اہم فریضہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا عبدالتواب

تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

نحمده و نصلی علی رسوله لکریم اما بعد!

عزیز طلبہ!

میری خواہش بھی رہتی ہے، ضرورت بھی ہے اور اصولی طور پر یہ بات بھی ہے کہ طلبہ سے ہمارا خطاب ہر ہفتہ یا کم از کم دو ہفتے میں ایک مرتبہ ہو جایا کرے، لیکن مشاغل بڑھتے جارہے ہیں، خواہش و کوشش کے باوجود وقت نکالنا آسان نہیں رہا، طلبہ بھی یاد دہانی کراتے رہتے ہیں، اس بات سے خوشی بھی ہوتی ہے کہ طلبہ کو اپنی اصلاح کے لیے باتیں سننے کا شوق اور اس کی فکر ہے۔

میں اپنے دل کی بات عرض کرتا ہوں کہ مجھے الحمد للہ طلبہ سے، طلبہ کے طبقے سے ایک خاص قلبی تعلق ہے، چاہے وہ میرے پاس پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، میرے دل میں ان کی محبت ہے اور جو طلبہ مجھ سے براہ راست پڑھتے ہیں ان کی محبت تو ایسی ہو جاتی ہے جیسے اولاد سے، پہلے بھی میں نے بار بار یہ بات سنائی ہے کہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعا فرماتے تھے کہ ”یا اللہ! مجھے طلبہ کے ساتھ زندہ رکھ، طلباء ہی کے ساتھ میری موت ہو اور طلبہ ہی کے ساتھ میرا حشر ہو“ اور درحقیقت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ماخوذ ہے۔

﴿اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین﴾

ہماری یہ طلبہ کی برادری بھی مساکین کی برادری ہے، انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنی زندگیوں کو اللہ کے لیے وقف کر رکھا ہے، اللہ ہی کے واسطے اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں اور الحمد للہ ان میں بھاری اکثریت مخلصین کی ہے، جو دنیا کے لیے نہیں آئے، دین سیکھنے، اس پر عمل کرنے، اسے پھیلانے اور دوسروں تک اسے پہنچانے کے لیے آئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم اور اس کا بڑا احسان ہے۔

طلبہ کا حلقہ تمام مسلمانوں میں ممتاز ترین حلقہ ہے:

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اور والد صاحب کی اس بات کی بنیاد پر میں بھی کہتا رہتا ہوں کہ یہ طلبہ ایک اعتبار سے پوری دنیا کے تمام مسلمانوں کا ممتاز ترین حلقہ ہے۔ انہوں نے اپنی پوری کی پوری زندگی اللہ کے راستے میں لگا رکھی ہے، جب سے ہوش سنبھالا تھا الف، ب پڑھنی سیکھی تھی اور اب داڑھیاں نکل آئیں اسی وقت سے تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے تقریباً سولہ سترہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کہیں مدرس ہو جائیں گے یا امام و خطیب بن جائیں گے، یا کہیں تصنیف و تالیف کا یا فتوی کا یا قضاء کا کام کرنے لگیں گے، یہ سارے کام دین کی عظیم الشان خدمت و محنت کے کام ہیں، یہاں تک کہ ان ہی مشاغل میں الحمد للہ موت آ جاتی ہے۔ "طلب العلم من المھد الی اللحد" فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی طلب علم کا سلسلہ جاری رہتا ہے کیونکہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب کوئی استاذ بنتا ہے تو درحقیقت اس کے ذہن میں دوسروں کو پڑھانے کی نیت ثانوی درجے میں ہوتی ہے، اول درجہ میں خود اپنے علم کو بڑھانے اور پختہ کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ تاکہ جو پڑھا ہے وہ یاد رہے، اضافہ ہو اور استحکام پیدا ہو۔

طلب علم کا منصب بہت اونچا ہے:

یاد رکھیئے! طلب علم کا منصب بہت ہی اونچا منصب ہے، طالب علم پر اللہ کی خاص توجہ وعنایت ہوتی ہے، اللہ سے مانگنے والا ہر طالب علم ہر وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ میری دینی معلومات میں اضافہ ہو، یہ عمل اللہ کو بہت پسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ''من سلک طریقا یلتمس فیه علماً سهل اللّٰه له به طریقا الی الجنة'' اور سچے طالب علم کے قدموں تلے فرشتے پر بچھاتے ہیں، پانی میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں، اللہ ہمیں ان میں سے بنادے۔ (آمین)

کوئی شخص استاذ بن جائے یا محدث وفقیہ بن جائے لیکن وہ طالب علم ہی رہتا ہے، طالب علمی ختم نہیں ہوسکتی، کیونکہ علم کی کوئی انتہا نہیں، ارشاد باری ہے کہ ''وفوق کل ذی علم علیم'' جتنا علم بڑھتا جائے گا اتنا ہی علم کی کمی کا احساس بڑھتا جائے گا۔

بوعلی سینا کی حکایت

شیخ ابوعلی سینا کی ایک حکایت ہم نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی اور شاید طلبہ سے خطاب ہی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی تھی۔

''ابن سینا کے علم وحکمت کا پوری دنیا میں طوطی بولتا تھا وہ کسی ایسے ملک میں پہنچے جہاں ان کی بڑی شہرت تھی، وہاں پہلے آنا نہیں ہوا تھا، اس لیے شاندار استقبال ہوا، وہاں ایک کتب خانہ تھا جس میں نادر کتابیں نظر آئیں تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ساری خاطر تواضع اپنی جگہ اب میں اس کتب خانہ سے اسی وقت نکلوں گا جب ساری کتابیں پڑھ لوں گا میرے مطالعہ میں کوئی خلل نہ ڈالے، ہاں نماز اور دوسری ضروریات کے کام کروں گا، اس کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہیں ہوگا، سوائے ان کتابوں کے مطالعہ کے۔''

بڑے عرصے تک لوگوں کو انتظار رہا کہ ان کے نئے مطالعہ سے ان کے علم میں

خوب اضافہ ہوا ہوگا، چنانچہ حکماء علماء عقلا جمع ہو گئے اور جب وہ اس کتب خانے سے باہر آئے تو ان اہل علم نے ان سے درخواست کی کہ اس مطالعے سے آپ کو جو نیا علم حاصل ہوا براہ کرم ہمیں بھی بتا دیجئے، فرمایا مجھے بہت بڑا علم ملا ہے، جو پہلے نہیں تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ علم تمام علوم پر بھاری ہے اور وہ علم یہ ہے نیا علم مجھے یہ ملا کہ میں کچھ نہیں جانتا، پہلے یہ بات بھی معلوم نہیں تھی، پہلے جہل مرکب میں مبتلا تھا، پہلے میں سمجھتا تھا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں، اب پتہ چلا کہ میں کچھ نہیں جانتا، تو علم کی کوئی حد و انتہاء نہیں، جتنا آدمی آگے بڑھتا جاتا ہے اپنی کم علمی کا احساس بڑھتا جاتا ہے، علم کی زیادتی کا احساس جاہلوں کو ہوا کرتا ہے جس کو یہ احساس ہو کہ میں بڑا عالم بن گیا تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہی سب سے بڑا جاہل ہے۔ جس کو اپنے جہل کا علم نہ ہو وہ جہل مرکب میں مبتلا ہے۔

اور یاد رکھیے کہ علم محنت و قربانیاں مانگتا ہے، اس کے بغیر نہیں آتا، علم بڑا غیور ہے۔ آسانی سے ہاتھ نہیں آتا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ **اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْکَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ کُلَّکَ**۔ ترجمہ: یعنی علم اپنے ذرا سا بھی حصہ تم کو نہیں دے گا جب تک تم اپنا سب کچھ اس کو نہ دے دو۔

الحمد للہ ہمارے مدارس کا یہ طبقہ ایسا ممتاز طبقہ ہے جن کی پوری زندگی علم کے لیے وقف ہوتی ہے۔

تعلیم و تعلم سب سے مقدم ہے:

میں کہا کرتا ہوں کہ جہاد بھی الحمد للہ بہت عظیم الشان عبادت ہے اس کے اتنے فضائل ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ سارے کام چھوڑ کر بس جہاد ہی کیا جائے، اسی طرح تبلیغ بھی ایک عظیم عبادت ہے، جہاد انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور دعوت الی اللہ فرائض انبیاء میں داخل ہے اور تعلیم دین بھی عظیم الشان کام ہے لیکن ان میں ترتیب آپ

دیکھیں کہ جب غار حرا میں نزول قرآن کا آغاز ہوا تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہو گیا۔ اقـرا بـاسـم ربک۔ کی ابتدائی آیات حضرت جبریل امین علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ تک پہنچائیں اور آپ ﷺ نے یہی آیتیں حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو سنا دیں اس طرح تعلیم دین کا سلسلہ پہلے دن سے ہی شروع ہو گیا۔ دعوت الی اللہ کا سلسلہ تقریباً ڈھائی سال کے بعد جب سورہ مدثر کا نزول ہوا ہے اس وقت سے شروع ہوا۔ اور بہت بڑے پیمانے پر ہوا اور شب و روز کے مشاغل میں یہ بھی شامل ہو گیا۔

مدینہ آنے کے بعد جہاد کی فرضیت بھی آ گئی، لیکن آپ ترتیب دیکھیں سب سے پہلے تعلیم و تعلم ہے، اس کے بعد دعوت و تبلیغ اور پھر جہاد۔ اور یہ تینوں کام آپ ﷺ اپنی وفات تک انجام دیتے رہے ہیں، یہی تینوں ذمہ داریاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کر کے گئے ہیں، جیش اسامہ تو اس وقت تیار ہی کھڑا تھا وہ جہاد کے لیے گیا، مبلغین اپنی تبلیغ کا کام کرتے رہے، اور تعلیم و تعلم والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا کام کرتے رہے اور یہ تینوں سلسلے آج تک چلے آ رہے ہیں۔

لیکن جہاد ہو یا تبلیغ، ان میں سے کوئی بھی ہو علم کے بغیر نہیں ہو سکتا؟ اگر جہاد علم کے بغیر ہو تو وہ جہاد نہیں رہے گا بلکہ فساد فی الارض بن جائے گا، اور اگر تبلیغ علم کے بغیر ہو تو وہ الحاد اور بے دینی پھیلانے والا کام بن جائے گا، دین پھیلانے والا کام نہ رہے گا تو علم کی ضرورت جہاد و تبلیغ دونوں کیلئے ہے۔

پھر یہ کہ جہاد، پوری زندگی نہیں ہوتا، ایسا شاذ و نادر ہی کوئی ملے گا جس کی پوری زندگی جہاد میں لگی ہو۔ تبلیغی جماعت میں بھی کوئی تین روز لگائے، کوئی چالیس، کوئی چار مہینے اور کوئی سال لگائے، پھر واپس گھر تو آ جائے گا اور اپنی تجارت و زراعت یا ملازمت و مزدوری وغیرہ کے کام کرے گا۔

ہمارے طالب علمی کے زمانے میں ہمارے ایک دوست جو تبلیغ کے راستے میں

ماشاء اللہ بہت سرگرم تھے، ہم نے ساتھ ہی قرآن حفظ کیا تھا، پھر وہ سکول اور کالج کے راستے پر چل پڑے اور میں دارالعلوم کراچی کورنگی میں درس نظامی کا طالب علم تھا، ہم والدین سے ملنے کیلئے ہفتے بعد گھر آتے تو یہ دوست پہنچ جاتے اور کہتے کہ مکی مسجد چلو گے، ہم کہتے کہ اپنے والدین سے ملنے ابھی تو آئے ہیں، تو یہ کہتے کہ بھئی اللہ کے راستے میں نہیں چلو گے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ یار کبھی تو اللہ کے راستے میں نکلو؟ میں نے کہا کہ بھئی! میں اللہ کے فضل سے پورا ہفتہ اللہ کے راستے میں لگا کر آرہا ہوں اور یہ ایک دن ہے جس میں والدین بھی انتظار میں ہوتے ہیں اور بہن بھائی بھی، تم عجیب آدمی ہو کہ ہر وقت اللہ کے راستے میں ہو حالانکہ تم کالج میں پڑھتے ہو اور تجارت بھی کرتے ہو، تبلیغ میں ایک ہفتہ میں سے صرف ایک رات کا کچھ حصہ لگاتے ہو۔ اور ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے شب و روز اپنے راستے میں لگا رکھا ہے۔

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے تبلیغی بھائی، صرف اسی کو تبلیغی بھائی کہتے ہیں کہ مکی مسجد اور رائے ونڈ میں آئے، اور اگر وہ وہاں نہ آئے تو تبلیغی بھائی نہیں بنتا۔ فرماتے کہ میں نے تو پوری زندگی اللہ کے راستے میں دے رکھی ہے مگر میں تبلیغی بھائی نہیں، حالانکہ میں تبلیغ ہی کا کام تو کر رہا ہوں، تصنیف و تالیف کرتا ہوں، بیان کرتا ہوں، فتوے لکھتا ہوں، میں نے پوری زندگی لگا دی ہے مگر میں ان ک نزدیک تبلیغی بھائی نہیں ہوں۔ اگر میں چلہ لگا لیتا تو میں تبلیغی بھائی بن جاتا تو یہ کیا بات ہوئی؟

یہ سب باتیں ہم اس لئے نہیں کر رہے کہ خدانخواستہ اس تبلیغی کام کی اہمیت ہمارے دلوں میں نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کام کی اہمیت سے بخوبی واقف اور قدر دان ہیں یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ کہ خدانخواستہ.......... خدانخواستہ تبلیغی کام کی اہمیت ہمارے دل میں نہیں ہے یا کم ہے۔ الحمد اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تبلیغی کام شروع کیا تھا اللہ نے اس میں بہت خیر و برکت رکھی ہے، اللہ کے فضل سے اس کا فائدہ پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ اللہ کا پیغام اس کام کی برکت سے دنیا کے گوشے

گوشے میں پہنچ رہا ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ ہر چیز کے درجات و مراتب ہوتے ہیں، یہ بھی عظیم الشان کام ہے، یہ سب ہمارے ہی کام ہیں تبلیغی کام ہو رہا ہے تو وہ بھی ہمارا ہی کام ہو رہا ہے، جہاد ہو رہا ہے تو وہ بھی ہمارا ہی کام ہو رہا ہے۔اور جہاں درس و تدریس کا کام ہو رہا ہے وہ بھی ہمارا ہی کام ہو رہا ہے۔

درس و تدریس کے کام میں اللہ رب العزت نے ہمیں یہ نعمتیں دے رکھی ہیں کہ ہمیں باہر جانا نہیں پڑتا، کوئی ہمیں دھتکارتا نہیں ہے۔ہم قال اللہ وقال الرسول میں یکسوئی سے مشغول ہوتے ہیں، ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے اس کام میں لگا رکھا ہے یہ کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ نے کتنا فضل فرمایا ہے۔

یہ مدارس کے طلبہ اور اہل علم کے لئے ایک نعمت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے قلعے ہیں۔

طالب علمی کا یہ زمانہ بڑی نعمتوں والا زمانہ ہے، اس میں صحت بھی ہے کہ اس سے اچھی صحت آپ کو پھر نہیں ملے گی، اس میں علم حاصل کرنے کے لیے فرصت اور یکسوئی بھی ہے آپ یہاں فارغ ہوں گے اور باہر نکلیں گے تو زندگی کے مسائل آپ کو گھیر لیں گے۔

عزیز طلبہ! آپ ہمارا مستقبل ہیں، آرزو ہیں، تمناؤں کا مرکز ہیں، ہم نے آپ سے بہت امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں، ہماری کشتی تو کنارے پر لگنے والی ہے، اب یہ ذمہ داریاں آپ کو سنبھالنی ہے۔بس علم و تربیت حاصل کریں۔اپنے علم کو مضبوط و مستحکم بنانا ہے اور اپنے عمل کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت و سنت کے ڈھانچے میں ڈھالنا ہے۔بس پھر تم ہی میر کارواں ہوں گے۔کیا تم نے صحابہ کو نہیں دیکھا کہ پہلے کیا تھے اور تیئس سال حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے پوری دنیا کے امام بن گے، عظیم انقلاب آگیا، ان کا علم وحکمت، اخلاق وکردار، ان کی صلاحیتیں جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل

گئیں۔

کسی نے کیا خوب کہا کہ صحابہ کرام جب جزیرہ نمائے عرب سے نکل رہے تھے تو اونٹوں کی مہاریں ان کے ہاتھوں میں تھیں، لیکن دنیا نے دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے قوموں کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آگئی۔

یہ اعجاز تھا حضور ﷺ کی تربیت کا کہ ایک ایک صحابی کو ایسا با اخلاق انسان بنا دیا گیا تھا کہ ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندگی کے تمام شعبوں میں حضور ﷺ کی سنت پر عمل کرتے تھے، سنت تو وہ ہے جو آدمی کو مٹی سے سونا بنا دے، سنت کیمیا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو کہ جب سنت کا لفظ آتا ہے تو ہمارے ذہنوں میں چند محدود سنتیں آتی ہیں۔ لیکن یہ بہت محدود مفہوم ہے۔

سنت کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اختیار کرو۔ بوقت ملاقات آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی آپ ﷺ سے ملا ہوں اور آپ نے تبسم نہ فرمایا ہو۔ خندہ پیشانی یہ ہے کہ آپ ایسے انداز سے ملاقات کریں کہ سامنے والا یہ سمجھے کہ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ اور چہرے پر مسکراہٹ ہو یا کچھ مسکراہٹ کے آثار ہوں، یہ بھی تمہارے واسطے صدقہ ہے، پیسے نہیں دیئے تم نے لیکن ''ادخال السرور فی قلب المؤمن'' (یعنی کسی مومن کے دل میں سرور پیدا کرنا) یہ ایک مستقل اور زبردست عبادت ہے۔ یہ معمولی سنت نہیں، سلام وکلام اور کھانے پینے کی سنتیں اور ان کے آداب کی رعایت رکھنا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''**من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ**'' کسی نے آپ کو راستہ بتا دیا تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کے جواب میں ایسا کلمہ کہیں کہ جس سے اس کا شکریہ ادا ہو۔

شکر کی تعریف بزرگوں نے یہ لکھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیں تو دل میں دھیان ہو کہ یہ نعمت اللہ نے دی ہے، زبان سے اس پر خوشی کا اظہار ہو، اور پھر خاص

طور پر اس کا خیال رکھا جائے کہ معصیت الٰہی میں اس کا استعمال نہ ہو۔

ہماری تہذیب وثقافت آج یہودیوں نے اپنالی ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ظاہری نظر میں وہ ترقی پذیر ہیں۔

جتنے مہذب شائستہ ممالک ہیں ان میں صفائی کے لئے عملہ نہیں ہوتا، جاپان جانا ہوا پورا شہر صاف تھا، معلوم ہوا کہ یہاں خاکروب بھی نہیں ہوتے، محلے دار خود صاف کرتے ہیں، ہر گھر والا سامنے کی جگہ صاف کر لیتا ہے، ہر ہفتہ کچرا اٹھانے والی گاڑی آتی ہے اور گھروں کے سامنے رکھے ہوئے ڈسٹ بن سے کچرا اٹھا کر لے جاتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی صفات ہیں جوانہوں نے اپنالی ہیں۔ آج لوگوں کے ذہن بدل گئے وہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص جتنا زیادہ میلا کچیلا ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ زاہد ہے۔

ایک انگریز مسلمان ہوگیا، اس نے مسجد کی نالیاں گندی دیکھ کر صاف کرنی شروع کر دیں تو ایک بڑے میاں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ میاں! تم مسلمان تو ہو گئے مگر ابھی تک تمہارے ذہن سے انگریزیت نہیں نکلی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ایسے شخص پر جو مدینہ کے درختوں کو نقصان پہنچائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستے سے گذر جاتے وہ آپ کی خوشبو سے مہک جاتا۔

ہم نے یہ سنتیں چھوڑ رکھی ہیں۔ کپڑوں میں پیوند عیب نہیں، ہاں گندے ہونا عیب ہے، یہ سستی کی علامت ہے۔، سب چیزوں میں سنت کو زندہ کیجئے، رہائش کے کمروں میں، مطبخ کی قطار میں، ہر جگہ سنتوں کو زندہ کیجئے۔

کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے ادنیٰ ناگواری کسی کو ہو، آپ اس بنیادی اصول کو اپنالیں، اس کو حرز جاں بنالیں تو ہزاروں سنتوں پر عمل ہو جائیگا، آپ کی زندگی خوشگوار اور نمونہ بن جائے گی۔ کمروں میں بتیاں بے ضرورت نہ جلائیں، مریض کا خیال رکھیں۔ دروازہ آہستہ بند کریں وغیرہ وغیرہ۔

جو مسلمانوں کے کرنے کے کام ہیں وہ آج غیر مسلم اقوام کر رہی ہیں، مہذب

ممالک میں اگر کوئی شخص سڑکوں پر کچرا پھینکے تو اس پر جرمانہ ہوجاتا ہے۔

ہمارے والد صاحب بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور باطل کبھی غالب نہیں ہوتا اگر اس کے برخلاف دیکھو گے تو وہاں ضرور یہ ہوگا کہ کوئی باطل حق کے ساتھ شامل ہوا ہوگا تو وہ حق باطل کی وجہ سے مغلوب ہوگا اور اگر باطل غالب آیا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حق اس کے ساتھ مل جائیگا۔

ہمارے پاس اگرچہ ایمان ہے، لیکن پھر بھی ہم مغلوب ہیں ایک وقت ایسا تھا کہ ہماری بات پوری دنیا مانتی تھی اور اب جو کچھ ہو رہا ہے آپ سب اس سے واقف ہیں۔ پہلے زمانے کے یہودیوں کی عادت تھی کہ گندگی پھیلاتے تھے۔ہم نے کافروں کی برائیاں لے لیں تو باطل نے ہمیں مغلوب کردیا۔نماز، روزے کا بنیادی فائدہ تو آخرت کا ثواب ہے۔

ایمان اور عمل صالح پر حکمرانی کا وعدہ ہے، اور عمل صالح میں پورا دین شامل ہے، صحابہ کرام نے پورے دین پر عمل کیا اللہ نے اپنا وعدہ پورا کردیا، تو عمل صالح حکومت اور اقتدار کے لئے شرط ہے۔ آج کا سبق یہ ہے کہ سنت کو زندہ کیجئے اور سنت تقریروں سے زندہ نہیں ہوتی، بلکہ سنت عمل سے زندہ ہوتی ہے۔اور سنت کا مفہوم زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہے، اور اس کی بیشمار جزئیات ہیں اور اس کا لب لباب یہ حدیث ہے کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده."

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین